نواب فرید

مولفہ

محمد سلطان حیدر جوش (علیگ)

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

نظام الدین حسین پرنٹر

سنہ ۱۹۱۷ء

بار اول ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد [illegible]

فہرست مضامین

II

(۱) کل زندگی پر ایک نظر

(۲) اقارب و اولاد

دیباچہ

زمانے تین ہوتے ہیں ماضی حال اور استقبال۔ زمانۂ گزشتہ تاریخ ہے۔ موجودہ کا حال روشن ہے اور مستقبل کو نتیجۂ حال کہنا چاہیئے۔ فن تاریخ نے اسلاف کے کارنامے بیان کرنے کے صرف تین طریقے استعمال کئے ہیں بلحاظ زمانہ بلحاظ علم اور بلحاظ ذات یعنی ایک ممتاز و قابل تذکرہ شخص کے متعلق تاریخ میں انہیں تین طریقوں سے ذکر کیا جاتا ہے مثال کے طور پر حضرت فاروق اعظم کو لیجئے اول بلحاظ زمانہ اگر خلافت کا دور اولین لیا جائے تو جناب فاروق اعظم کے کارنامے دیگر خلفاء راشدین کے ساتھ نظر آویں گے لیکن صرف اُسیقدر جسقدر کہ اُس دور سے متعلق ہیں۔ دوم بلحاظ علم اگر تہذیب اسلام فتوحات اسلام تمدن اسلام میں سے کسی کی تاریخ لکھی جائے تو حضرت فاروق اعظم کا نام نامی اس حد تک ضرور معرض تحریر میں آئے گا جس حد تک

ب

اُن کے کارنامے اس خاص شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

سوم بلحاظ ذات یعنی براہ راست حضرت فاروق اعظم کے مدت العمر کی جد وجہد جو اُنھوں نے ہر شعبہ اور ہر رنگ میں کی ہو مجموعی طور پر دکھائی جائے۔ یہ آخری طریقہ "سوانح عمری" کے نام سے معنون کیا جاتا ہے۔ سوانح عمری سے عام طور پر اسلاف انسانی کے فرد واحد کے کارنامے۔ اُس کی جد وجہد کے نتائج اُس کے تجربات اُس کی لغزشیں سب کچھ معلوم ہو سکتی ہیں اور یہ معلومات کُل نسل انسانی کو عموماً اور اس خاص قوم کو جس سے صاحب سوانح عمری تعلق رکھتا ہو خصوصاً فائدہ بخش اور سبق آموز ہو سکتی ہے۔ ہر قوم اپنے دائرہ قومیت سے وابستہ ہے اور اس دائرہ کے ممتاز افراد کو دنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کرتی اور ثابت کرتی ہے کہ اس قوم نے بذریعہ اپنے قومی سربرآوردہ اسلاف کے انسانی تہذیب و تمدن میں تعلیم و معاشرت میں کس درجہ جدّ وجہد کی ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے اپنے نتائج چھوڑ کر کس حد تک احسان کیا ہے ہر قوم اپنے اسلاف سے مانوس ہوتی ہے اور ایک حد تک اُن کی پرستش کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسی جذب

محبت نے عرصہ ہوا کہ مجھے یہ خیال دلایا کہ اپنے مورث اعلیٰ اور بانیٔ شیخوپور نواب فرید کی سوانح عمری لکھوں۔

میرا ذخیرۂ معلومات صرف چند خاندانی چٹھوں اور قلمی تذکروں پر مبنی تھا جو میراث کے طور پر میرے خاندان میں اور میرے پاس موجود ہیں۔ شیخوپور ضلع بدایوں کی آبادی حضرت فرید گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کی ایک مشہور اور پرانی بستی ہے اور میرا تمام خاندان شیوخ فریدی الفاروقی سے منسلک ہے جو بتوسل حضرت بابا فرید گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے خاندان نے بھی دیگر پرانے نجیب الطرفین خاندانوں کی طرح اپنا شجرہ نسب ہمیشہ قایم و محفوظ رکھا ہے اور اب تک یہ اسپرٹ قایم ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے علم تاریخ کا وہ حصہ جہاں سے وہ حوالۂ مطبع ہونا شروع ہوا ہے فی الحقیقت مختلف دماغوں کے جمع کردہ قلمی تذکرات کی دوسری صورت ہے لیکن میں ہر واقعہ کی جو ان تذکروں میں درج ہے مستند مطبوعہ تواریخ سے تصحیح و تصدیق کر لینا ضروری سمجھتا تھا

اول تو نہ مجھے وہ تمام کتابیں جن سے حوالے لیئے جاتے اور
حالات و واقعات معلوم ہوسکتے دستیاب نہ ہوسکیں اور پھر
تمام واقعات کو مختلف تواریخ سے جمع کرنا ایک کام تھا جسکی
مجھے دنیوی تفکرات اور مشاغل زندگی اجازت نہ دیتے تھے
بہرحال پھر بھی میں کوشش میں سرگرم رہا مایوسی کوشش نے
پورے دس سال تک میرے خیال کو صورت وجودی اختیار
نہ کرنے دی میں مایوس ہو جاتا تھا مگر ہمت نہ ہارتا تھا میرا
جذب صادق ہمیشہ میری مایوسی پر غالب اور یہی خیال ہمیشہ
میرے دماغ میں چکّر لگاتا رہا اور اخگر پژمردہ کو یاد اسلاف کا
وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی تیز جھونکا شرر افشاں کرتا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ
میں نے یہ دیکھکر کہ میرے عزیز ترین عزیزوں میں جب بفضلہ
ایک ایسا شخص موجود ہے جس کی قابلیت انشاء پردازی ادبی
دنیا میں سکّہ بٹھا چکی ہے اور جس کے زور قلم کو اُردو داں پبلک
تسلیم کر چکی ہے کیوں نہ یہ کام اُس کے سپرد کردوں اور کیوں
نہ اسکی تکمیل کا اُسے ذمہ دار ٹھہرادوں چنانچہ برادرم عزیز
سلطان حیدر جوش سے جن کی ذات پر مجھے بجا طور سے
فخر ہے میں نے ذکر کیا اور یہ کام اُنہیں کی سپرد کردیا۔

طبیعت جدت پسند کو اشارہ کی ضرورت تھی فوراً آمادگی ظاہر کی
اور اس کوشش میں سرگرم ہو گئے۔ کتب تواریخ کے جمع کرنے میں جن
مشکلات کا سامنا ہوا اس کا اندازہ وہی حضرات خوب کر سکتے ہیں
جو خود مورخ ہیں یا جن کو اس قسم کی تصنیفات کا کبھی خیال پیدا ہو چکا ہو
خدا خدا کر کے چند کتب تواریخ مہیا ہو سکیں اور برادر موصوف سال
بھر تک جس جانفشانی و پریشانی سے ورق گردانی کر کر اس کتاب
کو یا میرے خیال و تمنا کو جامۂ وجود میں لائے ہیں وہ داد و شکریہ
کی محتاج نہیں کتابیں زیادہ تر ہمیں دہلی پبلک لائبریری سے ملی
ہیں میرے عم مکرم حضرت حکیم احمد جان صاحب مرحوم رئیس شیخوپور نے
نہایت تحقیق و دقت نظری کے ساتھ خاندانی حالات کے متعلق
ایک جامع اور مبسوط کتاب لکھی تھی جس کو اُن کی وفات پر ایک
بزرگ خاندان نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے افسوس ہے کہ باوجود
کوشش و طلب کے وہ کتاب ہمیں دیکھنے کو نہ مل سکی ورنہ بہت
کچھ مفید اضافہ نواب فرید کی سوانح عمری لکھنے میں ہو جاتا تاہم بہت
سے فراخ دل اصحاب نے کسی قسم کی مدد دینے میں کوتاہی نہیں
کی سب سے پہلے سید محفوظ علی صاحب بی اے علیگ رئیس
بدایوں ہیں جنھوں نے اکثر کتب تواریخ کے نام بتا کر ہماری

رہبری کی پھر خان بہادر مولوی رضی الدین صاحب
مؤلف کنز التاریخ جنہوں نے اپنے کتب خانہ سے ماثر الامرا
اور عالمگیر نامہ چند دنوں کے لئے مستعار دیدیا میں ہر دو اصحاب
کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں - برادرم شیخ محمد صادق اور
شیخ احمد حسین اور اقبال غنی صاحبان کی عنایت کا اعتراف
کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں جن کی بدولت بیش بہا فرامین
اور جواہر فریدی مل سکے - شیخ طیب محمد اور منظور حسین صاحبان
نے اس کوشش میں جس دلچسپی کے ساتھ اپنا وقت
دیا اور چند شبانہ روز کتب تواریخ کے نوٹ لینے میں
ہمارے ساتھ محنت کی اُس کا خاص اثر میرے دل پر ہے
بزرگ و افسر خاندان عالیجناب خان بہادر شیخ محمد عبد الغفار
صاحب مجسٹریٹ و چیرمین میونسپلٹی بدایوں اور میرے
برادران حقیقی اور قوت بازو مسٹر وحید احمد اور مولوی محب احمد
صاحبان نے اس کتاب کی تکمیل میں جو دلچسپی لی اور
وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے مدد کی اُس کا شکریہ
نہ ادا کرنا بھی بیجا ہے - اس فرض سے سبکدوش ہو کر اب
مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ "نواب فرید" کی تالیف

میں جن کتابوں سے واقعات اخذ کیئے گئے ہیں اُن کی فہرست دیدینا مناسب ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ سند کس وقت اور پایہ کی ہے میرے خیال میں اس سے بڑھکر معتبر حالات و واقعات کا ملنا کم از کم موجودہ دسترس سے باہر ہے۔

نمبر ۱ - قلمی تاریخ خاندانی -

نمبر ۲ - تزک جہانگیری -

نمبر ۳ - اکبر نامہ ابوالفضل -

نمبر ۴ - جہانگیر نامہ

نمبر ۵ - بادشاہ نامہ مؤلفہ ملا عبدالحمید لاہری -

نمبر ۶ - عالمگیر نامہ -

نمبر ۷ - منتخب اللباب خافی خاں -

نمبر ۸ - ماثر الامرا تیموری مصنفہ صمصام الدولہ -

نمبر ۹ - خطبات احمدیہ مصنفہ سر سید احمد خاں

نمبر ۱۰ - Wheelers History of India

نمبر ۱۱ - Description & Historical accounts of N.W P Vol 5 by E T Atkinson & H. C Conybeare I.C.S

نمبر ۱۲- Settlement Report of 1873

نمبر ۱۳- District Gazetteer Vol 15 Budaun by H R Nevill I C S F R G S.

بہر حال اس تمہید کے ساتھ یہ اوراق "نواب فریدیا" کے نام سے ملک اور قوم کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جن کو شیخ فرید نواب انتظام خاں و احتشام خاں کی سوانح عمری کہا جا سکتا ہے حقیقت میں دربار سلاطین تیموریہ کا ایک قلم انداز و شکستہ باب ہے زمانے کی دستبرد اور ناموافقت نے بیشمار ممتاز و قابل تذکرہ حضرات کے کارنامے ایسے تلف کر دئے ہیں کہ اُن حضرات کا نام نامی بھی پردۂ گمنامی میں روپوش ہو گیا ہے اس ناقدر شناسی کی ذمہ دار ہماری مردہ قوم کی بدمذاقی ہو یا اور کچھ اس میں شک نہیں کہ موجودہ لیل و نہار میں جس ممتاز فرد قوم کو قعر گمنامی میں ڈوبنے سے بچا لیا جاوے اور جو کچھ بھی اُس کے کارناموں سے بہم پہنچ سکے حوالۂ قلم کر دیا جاوے تو ایک قابل قدر اضافہ ہوگا چنانچہ اس کوشش کے ساتھ ساتھ نہایت خوشی کی بات ہے کہ برادر عزیز محمد سلطان حیدر

صاحب جوش نے اپنی جدّت طرازی کو قایم رکھکر تاریخ کی خشکی کو پُر لطف دلچسپی میں تبدیل کر دیا ہے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ یہ اپنی قسم کی پہلی سوانح عمری ہے جو اس خاص رنگ میں لکھی گئی ہے۔ داستان پاستان کے طرح طرح سے دُہرانے نے اگر قوم میں وہ جوہر پیدا کر دیا جس نے اسلاف ممتاز کو آجتک زندہ رکھا ہے تو گویا مردۂ صد سالہ از سر نو رحمت صورت آفریں سے زندہ ہوگیا یا یہ مختصر محنت کم از کم نواب فرید کی موجودہ اولاد کو عزت حقیقی اور عزت نمایشی کا فرق سمجھانے اور دلنشین کرنے میں کسی حد تک بھی کار آمد ثابت ہوئی تو میں سمجھ لوں گا کہ ناچیز کوشش ایک چیز ہوگئی ورنہ اللہ باقی من کل فانی۔

خاکسار

سیّد محمد ہوش

شیخوپور۔ بدایوں

۲۷ اکتوبر ۱۹۱۶ء

نامِ نامی نہ تو کسی شہرت و تعارف کا محتاج: اور نہ نا حرمت
اس زندۂ جاوید نام سے منسوب کئے جانے کے قابل۔

مگر

دلِ عقیدت کیش و سعادت مند مجبور کرتا ہے کہ ان اوراقِ پریشاں
کو اسی پیشوائے روحانی کے سامنے بصد ادب پیش کر دوں!
شاید کہ بقائے دوام کا راز اسی میں مضمر ہو!

"جوشؔ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

آباؤ اجداد

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند
کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نہ ماند!!

حضرت فاروق اعظم کی مجمع کمالات ذات نے، اپنے زمانۂ خلافت کے طرزِ عمل سے، مسلمانوں میں توحید پرستی اور اشاعت وحدانیت کی ایسی روح پھونک دی تھی کہ مٹھی بھر نفوس ہرقل و دارا سے، قیصر و کسرا سے، کسی گردن کش حکمراں سے مرعوب نہیں ہوتے تھے؛ اور تمام دنیا کی مخالفت یا مشرق سے مغرب کا سفر، انہیں اعلانِ کلمۂ حق سے نہیں روک سکتا تھا! مسلمان ایک طاقت تھے، بے نظیر: ایک آندھی تھے، عالمگیر! وحدانیت کی بجلی۔ ان عرب فدائیانِ اسلام کی تلواروں سے۔ کبھی مصر میں چمکتی تھی تو کبھی اسپین میں: کبھی روم میں گرجتی تھی تو کبھی فارس میں! رحمتِ حق کا بادل۔ عرب تارکانِ وطن کی صورت میں

افریقہ، یورپ، ایشیا، اور دنیائے قدیم کی ہر سر برآوردہ سلطنت پر صدیوں چھایا رہا! عرب جیسے بنجر و جاہل ملک سے علوم و فنون کے ایسے دریا بہ گئے جو ایک طرف تو افریقہ شمالی و اندلس کو سیراب کر گئے اور ایک طرف چین و تاتار، ہندوستان و ایران، قریب قریب کُل ایشیا کو سرسبز بنا گئے!

فتوحاتِ اسلام کے تیز رفتار دریا، منبعِ عرب سے مختلف اوقات میں نکلے، مختلف سمتوں میں بہے، خاص مدت تک کسی حصّہ زمین کو سیراب کرتے رہے، اور حادثات زمانہ سے پامال ہو کر یا تو معدوم ہو گئے یا حکومت کی فوقیت سے محروم ہو کر اُس ملک کے تمدن و معاشرت میں غرق ہو گئے! تارکانِ وطن عزیز کی مختلف موجوں میں سے خود فاروقِ اعظمؓ کی اولاد تھی جو کئی پشتوں تک سرفروشانِ توحید کی رنگ میں اعلائے کلمۂ حق کی خدمت سر ہتیلی پر لیئے کرتی رہی اور مدینہ منورہ کی گز بھر زمین خواب راحت کے لئے پا نہ سکی: مگر انقلاب کے ساتھ یہ وحدانیت پرست اولادِ فاروق عرب کو الوداع کہکر روضۃ الصغرٰی[1] سے۔ اور کئی پشتیں وہاں بھی نقشِ قدم کی طرح

---

[1] استیج واعظ الاصغر۔ بن شیخ واعظ الاکبر سب پہلے شخص تھے (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

چھوڑ کر کابل پہنچی! کہیں تجارت کا اکلِ حلال کفیل و معاون رہا اور کہیں سلطنتِ خود مختار کی فارغ البالی مقصد عظیم کے حصول میں سیدھے ہاتھ کا کام دیتی رہی! جب چنگیز خاں کی خون آشام تلوار نے غزنی و کابل کو پامال کیا تو اولادِ فاروق کے چند نفوس مبتلائے سرگردانی ہو کر کابل سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوئے اور ہندوستان پہنچے! قاضیِ قصور کی مہمان نوازی نے اس خانماں برباد بے قصور جماعت کو ٹھہرایا اور شاہ وقت تک پہنچایا! اسی جماعت میں شیخ جمال الدین سلیمان - ابنِ شیخ شعیب - بھی تھے جو ملتان کے قریب قصبۂ کوٹھوال - یا - کوٹھوال - میں سکونت پذیر ہوئے؛ مولانا وجیہ الدین خجندی کی صاحبزادی

---

(۱) (بقیہ نوٹ صفحہ ۶) جنہوں نے مدینہ منورہ سے روضۃ الصغریٰ کو - عہد خلافت عباسیہ میں نقلِ مکان کیا!

نمبر ۲ - شیخ احمد - معروف بہ فرخ شاہ کابلی روم سے بغرض تجارت کابل آکر وہاں کی حالت کا اندازہ لگا گئے تھے - اسی وجہ سے بعد میں پوری جمعیت سے کابل پر یورش کی اور تاریخ تاتی ہے کہ فتح کر کے سلطنت کابل کی باگ ہاتھ میں لی!

نمبر ۳ - شیخ شعیب بن شیخ احمد - چنگیز حالی انقلاب کی بدولت ہندوستان آئے اور اس طرح آئے کہ ان کے والد شیخ احمد چنگیز خاں کے مقابلہ میں شہید ہوئے اور یہ معہ اپنے تین بچوں کے کابل کو چھوڑ کر نواح ملتان میں پہنچے! قاضیِ قصور نے ان کی مہمانداری میں نہایت تواضع سے کام لیا اور شاہ وقت تک انکی رسائی کرا کر شیخ شعیب کو قصبہ کوٹھوال (یا - کوٹھنوال) متصل ملتان - کا قاضی مقرر کر دیا!

سے شادی کی اور زہد و تقوٰے کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے!
اس مفلس و گمنام گھر میں وہ شخص پیدا ہوا جو ہندوستان کے
افق تصوف پر ماہ کامل بننے والا تھا اور شیخ فریدالدین گنجشکر[۴] کے
نام نامی سے ہمیشہ زندہ رہنے والا تھا!
بابا گنجشکر کی ذات بابرکات سے ایک طرف تو تصوف۔ بصورت

نمبر۴ شیخ فریدالدین گنجشکر۔ المعروف بہ بابا صاحب رح۔ کا شجرۂ نسب تقریباً ۲۰ واسطوں سے حضرت عمر فاروق اعظم سے ملجاتا ہے۔ آپ کے شجرہ کی نقل مستند قلمی تواریخ میں جو خاندان شیخو پور کے قبضہ میں ہیں مختصراً یہ ہے۔ شیخ فریدالدین گنجشکر۔ ابن شیخ جمال الدین سلیمان۔ ابن۔ شیخ شعیب۔ ابن شیخ احمد۔ ابن شیخ یوسف۔ ابن شیخ محمد۔ ابن شیخ شہاب الدین ابن شیخ احمد مشہور بہ فرخ شاہ کابلی۔ ابن شیخ نصر۔ ابن شیخ محمود معروف بہ شہنشاہ۔ ابن شیخ سامان یا سلیمان۔ ابن شیخ مسعود معروف بہ سلطان۔ ابن شیخ عبداللہ۔ ابن شیخ واعظ الاصغر۔ ابن شیخ واعظ الاکبر۔ ابن شیخ ابوالفتح کالج۔ ابن شیخ اسحٰق۔ ابن شیخ ابراہیم۔ ابن۔ خواجہ ناصر۔ ابن۔ عبداللہ۔ ابن۔ حضرت عمر فاروق رض! ان قلمی نسخوں میں شجرۂ نسب بہ حذف و اسقاط الوالبشر حضرت آدم تک پہنچا ہے۔ مگر میرے خیال میں اس کا اعادہ فضول ہے: حضرت عمر فاروق رض کا شجرہ نسب ۸ پشتوں کے بعد کعب بن لوی پر ختم المرسلین آنحضرت صلعم کے شجرہ نسب سے ملجاتا ہے اور اس کے بعد آنحضرت کا شجرہ ہی عمر فاروق کا شجرہ سمجھا جائیگا! کعب تک ۸ پشتیں حسب ذیل ہیں۔ ۔ عمر رض۔ ابن خطاب۔ ابن۔ نفیل۔ ابن۔ عبدالعزٰے۔ ابن۔ ریاح۔ ابن۔ عبداللہ۔ ابن۔ قرط۔ ابن۔ رزاح۔ ابن۔ عدی۔ ابن۔ کعب بن لوی! کعب کا شجرہ ۲۰ پشتوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جاملتا ہے (بقیہ صفحہ آیندہ پر ملاحظہ ہو)

تعلیم چشتیہ۔ نظامیہ وصابریہ کی دو زندۂ جاوید شیریں چشموں میں جاری ہوا اور دوسری طرف ان کی اولادِ کثیر ملک کے چاروں گوشوں میں پھیل گئی؛ غالباً اسی لحاظ سے ان کا نام جواہر فریدی میں آدم ثانی نظر آتا ہے! ان کی اولاد قصبۂ اجودھن میں۔ جو ان کے قدوم میمنت لزوم کے بدولت پاک پٹّن بن گیا۔ کئی پشتوں تک مصروفِ مجاہدات نفس و اشاعتِ کلمۂ توحید رہی! اشاعتِ کلمۂ حق ایک ایسا مشن تھا جس کے لئے اکثر اوقات بمجبوری۔ زبان کے بجائے زبانِ تیغ سے کام لینا پڑا! اکثر اوقات شوقِ سرفروشی نے شرکت جہاد کے ذوق میں کسی لشکر کشی میں حصّہ لینے پر مجبور کر دیا! بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی ایک بیوی ہزیرہ خاتون دخترِ غیاث الدین بلبن بھی تھیں جن سے بابا صاحب کی شادی بلبن کی ولیعہدی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اور اس طرح ان کی اولاد کو ضرورت کے وقت دربار رسی اور شرکتِ جنگ کے ذرائع مل سکتے تھے! پاک پٹن، داؤدانہ، اور بھنڈالی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸) جس کو سر سیّد احمد خاں مرحوم نے اپنی مشہور تصنیف خطباتِ احمدیہ میں بشرح و بسط درج کیا ہے اور اس کے صحیح ترین ہونے کے استدلال پیش کئے ہیں! (جوش)

کی سرزمین اُن پاک نفوس کی آرام گاہ ہے جو اس مشن کو مقصدِ حیات بنائے رہے!

بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی اولاد کی ایک شاخ پنجاب سے کوچ کرکے ہندوستان کے قلب میں پہنچی اور ان میں شیخ سلیم فتحپوری کی ذاتِ والا صفات کا ظہور ہوا جو سیکری کے پہاڑوں میں ایسی ضیائے نظر فریب کے ساتھ چمکی کہ جلال الدین اکبر جیسا آزاد مذہب بادشاہ عقیدت و اطاعت کے رنگ میں کشاں کشاں کھنچا چلا آیا! اولادِ بابا صاحب کے جس گروہ کے اخترِ منوّر حضرت سلیم چشتی فتحپوری تھے اسی کے چند نفوس ظہیر الدین بابر شاہ غازی کی مظفر و منصور فوج میں شامل رہ کر روہیلکھنڈ کی سرزمین میں فاتحانہ قدم رکھ چکے تھے اور دربارِ مغلیہ سے سرکار بدایوں میں معافی و زمین حاصل کرچکے تھے! گویا اولادِ بابا صاحب کی ایک شاخ تقربِ دربار کی عزت ۱۵۲۶ء سے

بمرہ شیخوپور کے شیخ زادوں کے اسلاف کا بابر کی فوج حملہ آور کے ساتھ ۱۵۲۶ء میں روہیل کھنڈ میں فاتحانہ طور پر آنا اور ضلع بدایوں میں معافیات و محالات پانا گزیٹر سے ثابت ہے! ملاحظہ ہو Descriptive and Historical account of the N. W. P. of India مؤلفہ ایچ سی کانی بیر آئی سی ایس اور ایڈوین ٹی اٹکنسن کی (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

پیشتر حاصل کر چکی اور سلاطین مغلیہ کی نگاہ میں اپنا وقار قایم کر چکی تھی!

یہ فاتحین روہیل کھنڈ بابر کے ساتھ آئے، ہمایوں کے متزلزل زمانہ میں اپنے گھر میں بابر کے عطیات سے بہرہ اندوز۔ خاموشی کے عالم میں وقت کے منتظر رہے، اور اکبر عرش آشیانی کی روز افزوں سلطنت میں تخت و تاج کی خدمت کے لئے۔ اپنے قدیمی شعار سرفروشی میں۔ محو محنت و جانفشانی بن گئے! اسی گروہ میں نواب قطب الدین خاں گورنر بنگالہ کے گھر میں اُس امیر نامی کی پیدایش ہوئی جس کا نام فرید اور لقب نواب فرید الدین اخلاص خاں احتشام خاں تھا، اور جس کی سوانح عمری ان اوراق میں پیش کش ناظرین کرنی مقصود ہے!

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰) جلد ۵ متعلق قسمت روہیل کھنڈ صفحہ ۴۷ و ۴۸! نیز سٹلمنٹ رپورٹ ۱۸۷۳ء و ڈسٹرکٹ گزیٹر بدایوں کی جلد ۱۵ کا صفحہ ۷۷ و ۷۸!

اولاد بابا صاحب علیہ الرحمۃ پنجاب میں خلجیوں اور تغلقوں کے
زمانہ میں، مختلف مقامات میں، پھیلتی اور اشاعت اسلام
تصوف میں سرگرم رہی! اکبر عرش آشیانی، آزاد منش سہی،
لیکن اہلِ کمال کا سرپرست اور ہنر و علم کا قدر دان تھا: بڑے
بڑے حکماء، علماء، امراء، سردارانِ سرفروش، منجم، مہندس
اور ہر قسم کے باکمال اشخاص اس فیض کے چشمہ شیریں کے گرد
مرغ و مور کی طرح جمع ہو گئے تھے! یہ فریدی گروہ بھی پنجاب
سے نقل مکان کر کے دارالخلافہ کے قریب محوِ خدمت شاہی
بنا رہا! بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ فرید تاب قریب
قریب ساڑھے تین سو برس کا زمانہ ۱۲ پشتوں کی صورت
میں گذرا جس کی مختصر و مجمل تاریخ۔ طوالت کو نظر انداز کر کے۔
درج کر دینی بر محل معلوم ہوتی ہے!

بابا صاحبؒ نے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں۔ اپنی اولاد۔
چھوڑیں ! شیخ شہاب الدین گنج علم، شیخ بدر العالم

نمبر۶۔ بابا صاحبؒ کا زمانۂ وفات ۵ محرم ۶۶۴ھ آئین اکبری سے ثابت ہوتا ہے
اور شیخ فرید کی پیدائش ۵۶۹ھ میں ہوئی۔ نسخہ ہائے قلمی تواریخ میں۔ درج ہے۔
گویا ۴۰۔۳۰ برس کا فصل نظر آتا ہے!

بدرالدین سلیمان، شیخ نظام الدین شہید، شیخ یعقوب اور شیخ عبداللہ اُن صاحبزادوں کے اسمائے گرامی ہیں جن کی اولاد - بقول صاحب جواہر فریدی - بنگالہ، بہار، پھلواری، فتحپور سیکری، بدایوں، امروہہ، مہوبہ، گجرات، الہ آباد اور اکثر چھوٹے چھوٹے مقامات میں پھیل گئی!

شیخ بدرالدین سلیمان - اپنے زمانہ کے مشہور صوفیائے کرام میں سے تھے اور محو تصوّف رہے! پاک پٹّن میں آپ کا مزار شریف ہے! دو بیویوں سے چھ لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں! پہلی بیوی ملک العلما قاضی ابومسلم کی صاحبزادی تھیں جن کے بطن سے چار لڑکیاں اور چار لڑکے بہ اسمائے شیخ علاء الدین موج دریا، شیخ محمد شہید، شیخ محمود اور شیخ تاج الدین ہوئے! ازوجہ ثانی سے شیخ مودود و شیخ احمد باقی رہے!

نمبر ۱ - حضرت سلیم چشتی فتحپوری قدس سرہٗ ان ہی خواجہ مودود کی (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

شیخ محمود بن شیخ بدر الدین سلیمان۔ بھی اپنے زمانہ کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ پچانوے سال کی عمر میں دو لڑکے شیخ داؤد اور شیخ نصر اللہ اور ایک لڑکی چھوڑی: پاک پٹن میں بزرگوں کے زیر سایہ آرام کرتے ہیں!

شیخ داؤد ابن شیخ محمود۔ مجاہدہ نفس کے علاوہ اشاعت اسلام میں بھی عملی طور پر سرگرم رہے! مخالفین بت پرست کو انکا مشن ناگوار گذرا۔ راجۂ مخالف سے تلوار چلنے کی نوبت آگئی۔ راجہ کا قتل فساد کا اختتام ہوا۔ قصبہ داؤدانہ ان کا آباد کیا ہوا ہے جو اب تک اُس نام کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ سکروڑہ میں جو کابل کے راستہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳) اولاد میں ہیں اور اس طرح شجرہ بیان کیا جا سکتا ہے:۔ حضرت سلیم چشتی ابن شیخ بہاء الدین۔ ابن شیخ بدر الدین عرف متھ۔ ابن شیخ سلمان۔ ابن شیخ آدم۔ ابن شیخ معروف۔ ابن شیخ موسےٰ۔ ابن شیخ مودود!

میں واقع ہے محوِ خواب استراحت
ہیں! آپ نے دو لڑکے شیخ
رفیع الدین اور شیخ بہاء الدین
چھوڑے!

شیخ رفیع الدین المعروف بہ خواجہ۔ ابن شیخ داؤد ریاضت و فقر میں
بے ہمتا تھے۔ حلقۂ بیعت بہت
وسیع تھا۔ مخدوم زین العابدین اور
شیخ بایزید دو صاحبزادوں کو
چھوڑ کر پاک پٹن میں مرقد مبارک
میں جا سوئے!

مخدوم شیخ زین العابدین۔ عام طور پر محض شیخ زین کے نام سے
مشہور ہیں! تصوف کے لحاظ سے
صاحب نسبت شخص تھے! علوم
ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد ملی ہوتے
ہوئے حرمین شریفین فریضۂ حج
ادا کرنے تشریف لے گئے اور واپس
آ کر حسب بشارت قصبۂ بھنڈالی

میں جو سرہند سے چند کوس کے فاصلہ
پر ہے سکونت پذیر ہوئے! آپ
کی شادی بی بی سلطان خاتون دختر
شیخ بہاء الدین بن شیخ داؤد سے
ہوئی اور ان کے بطن سے پانچ صاحبزادے
شیخ جہان شاہ، شیخ سلطان شاہ،
شیخ برہان الدین، شیخ معز الدین
اور شیخ تاج الدین - تولد ہوئے!
بھنڈالی میں آپ کا مشہور مزار ہے!

شیخ سلطان شاہ۔
مرد خدا پرست اور نیک نفس تھے:
صرف دو صاحبزادے شیخ سعد اللہ
و شیخ فرید - مشہور بہ فرید سو نبرس -
چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھار گئے،
اور بھنڈالی میں آرام فرماتے ہیں!

شیخ سعد اللہ۔
ان کے زمانہ میں نواب عماد الملک
جو بابا صاحبؒ کے حقیقی بھائی شیخ
نجیب الدین متوکل کی اولاد میں سے

تھے سرکار سنبھل اور باؤلی کے جاگیردار تھے!
نواب عمادؒ الملک نے اپنی دونوں لڑکیوں
کی شادی شیخ سعد اللہ اور شیخ فرید سونبرس
دونوں بھائیوں سے کردی! شیخ سعد اللہ
اور شیخ فرید سونبرس ہی وہ حضرات تھے جو
بابر کی مظفر و منصور افواج میں سرگرم پیکار رہکر
بدایوں میں فاتحانہ داخل ہوئے اور سنہ ۱۵۲۶ء
کے حملۂ بابری میں اظہار بہادری کے
عیوض میں ضلع بدایوں میں معافیات
پاکر اسی جگہ سکونت پذیر ہوگئے!
شیخ سعد اللہ کا نام ان کے دو صاحبزادوں
شیخ خوندمیاں اور شیخ محمدؐ سے چلا! آپ
بدایوں میں گورستان چشتیہ میں مدفون ہیں!
شیخ خوندمیاں بن شیخ سعد اللہ۔ مرد نیک نفس تھے، دو لڑکے

نمبر۸ - نواب عماد الملک کا شجرہ جواہر فریدی میں اس طرح درج ہے :- عماد الملک بن شیخ سیف الدین بن شیخ کریم الدین بن شیخ عیسیٰ بن داؤد بن شیخ جراح بن شیخ نصیر الدین بن شیخ شہاب بن شیخ احمد بن شیخ محمد حاجی چشتی عم زادہ حضرت گنجشکر قدس سرہ!

شیخ ابراہیم اور شیخ فضیل چھوڑ کر عالم
جاودانی کی راہ لی۔ گورستان چشتیہ
میں مدفون ہیں!

تلقین تصوف میں عمر بسر کی، مرد خدا
آگاہ تھے! صرف ایک لڑکے شیخ حسین
حافظ سے آپکا نام چلتا ہے! گورستان
چشتیہ میں دفن ہیں!

حافظِ قرآن، نیک نفس اور پاک
طینت شخص تھے! شیخ سلطان۔
فرید سونبرس کی اولاد۔ ان کے ہمعصر
تھے اور تلقین تصوف دونوں کا شعار
تھا! حضرت سلیم چشتی فتحپور سیکری
میں اولاد بابا صاحب میں اسی زمانہ
میں بے مثل صوفی اور اپنے وقت
کے عالی مرتبہ صاحب نسبت تھے!

شیخ حسین حافظ اور شیخ سلطان،
حضرت سلیمؒ کی خدمت میں اس تصفیہ

شیخ ابراہیم۔
↓
شیخ حسین حافظ۔

کے لئے حاضر ہوئے کہ دونوں میں
سے کون تلقین تصوف کرے اور
کون خاموش رہے! حضرت سلیم
چشتی نے اپنی چشم حقیقت بیں سے
دونوں کے قلوب کا اندازہ کیا اور
شیخ حسین حافظ کو اس کا اہل پاکر
اُن ہی کو اجازت عطا فرمائی! شیخ
حسین حافظ نے بطور اولاد کے
تین لڑکے۔ شیخ اعظم، شیخ معظم، اور
شیخ یٰسین چھوڑے! بدایوں میں
انھوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور
اسی کے سامنے مزار شریف ہی!

شیخ اعظم۔

اُلّاؔ و منونہ۔ دو دیہات۔ آنولہ کے
قریب آپ کو سلطنت مغلیہ سے جاگیر
کے طور پر ملے ہوئے تھے! غالباً یہ
دیہات اُن ہی معافیات میں سے
تھے جو بابر کے زمانہ میں ان کے

موروثوں کو عطا ہوئی تھیں! آپ کی
صفائی قلب اور راست بازی سے
خوش ہو کر حضرت سلیم چشتی رح نے
اپنی صاحبزادی بی بی خدیجہ کی شادی
آپ سے کر دی تھی! آپ کی جاگیر
میں ٹھاکروں نے فساد کیا اور آپ
اُن سے لڑ کر شہید ہوئے! قلعہ
بدایوں کے متصل۔ جانب غرب۔
آپ کا مزار ہے جس پر سنگین چھتری
تعمیر تھی۔ اسی عمارت میں آپ کا
شجرۂ نسب بابا فرید گنجشکر تک کندہ
ہے جو زمانہ کی دست برد کے باوجود
اب بھی بہت کچھ باقی ہے! آپ
کی اولاد میں صرف شیخ قطب الدین
تھے!

شیخ قطب الدین۔ آپ شیخ خوبو، خوبن، اور شیخ جیون
کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ آپ کا

مفصل حال آئندہ درج کیا جائیگا۔
آپ کی شادی شیخ معظم کی صاحبزادی
سے ہوئی جن کے بطن سے۔ شیخ
ابراہیم، شیخ فتح الدین، اور شیخ فرید
وجود میں آئے! یہ ہی شیخ فرید آگے
چلکر اخلاص خاں اور بعد میں نواب
احتشام خاں بن گئے!

شیخ فرید کا سلسلۂ نسب ۱۲ واسطے سے بابا گنجشکر قدس سرہٗ تک اور ۳۲ واسطے سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک پہنچتا ہے! ان ۳۲ پشتوں کی زندگی کا شعار اشاعتِ وحدانیت۔ خواہ بصورتِ تعلیم تصوف، اور خواہ بصورتِ جہاد رہا! مدینہ سے رومتہ الصغرےٰ۔ رومتہ الصغرےٰ سے کابل۔ کابل سے نواح ملتان۔ ملتان سے بھنڈالی۔ اور بھنڈالی سے بدایوں: گویا مدینہ منوّرہ سے بدایوں تک پہنچنے میں پانچ مرتبہ نقل وطن کرنی پڑی! اس تمام مدت دراز میں جذبۂ توحید پرستی اس اولادِ فاروق و فرید سے کبھی نہیں چھوٹا! سرفروشی کی چاشنی بدایوں میں تھک کر بیٹھنے کے بعد بھی کئی پشتوں تک جھلک

، لیکن بالآخر امن پسندی نے تلوار کو چاقو سے اور
م سے تبدیل کرا کر چھوڑا اور رفتہ رفتہ اس سرے سے
پہ لیجا کر بانا !

ں کا بیاک بیڑا × نشاں جس کا اقصائے عالم میں پہنچا
ں خطرہ نہ جس کا × نہ عمّاں میں ٹھٹکا نہ قلزم میں جھجکا
کئے پے سپر جس نے ساتوں سمندر !
وہ ڈوبا دہانے میں گنگا کے آکر !!

(۲)

پیدائش کا گھر اور زمانہ

مستمع رمز فہم میباید
نکتہا ہست در فسانۂ ما

بابر کی[1] مظفر و منصور فوج نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے عظیم الشان معرکہ کے بعد خود سر امراء کو خانوہ متصل فتحپور سیکری پر شکست فاش دی تو سرکار بدایوں پر بھی فتحمند فوج کا تسلط ہوگیا! بابر کے جاں نثار معافیات و جاگیروں سے سرفراز کئے گئے اور اسی زمانہ میں شیخ فرید کے مورث بھی بہادری و سرفروشی کے معاوضہ میں جاگیر پاکر بدایوں میں سکونت پذیر ہوگئے! بابر کے بعد ہمایوں کے اول دس سال میں بدایوں میں کوئی انقلاب عظیم نہیں ہوا البتہ ہمایوں کے شیر شاہ سے شکست کھاکر لاہور کی طرف بھاگنے

نمبر۱- District Gazetteers of the United Provinces Vol XV. Budaun By H R. Nevill I.C.S, F.R.G.S. etc کا صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۲ !

کے بعد سے اس کی دوبارہ واپسی اور تسلّط تک مختلف سردار عامل سنبھل یا بدایوں رہے اور شیخ فرید کے مورث اس عرصہ میں پٹھان بادشاہوں کا ساتھ نہ دیکر۔ علیحٰدہ اور خاموش رہے!
ہمایوں کے دوبارہ تسلّط پر قنبر دیوانہ گورنر بدایوں تھا جس کا خاتمہ۔ ایک سخت مقابلہ کے بعد۔ علی قلی خاں گورنر سنبھل کے ہاتھ سے ہوا! اکبر کی سلطنت کے آغاز میں تھوڑے عرصہ کے لئے قاسم علی خاں بقّال گورنر بدایوں مقرر ہوا، مگر بعد میں مشہور شیخ سلیم فتحپوری کے نواسے شیخ قطب الدین چشتی گورنر بدایوں بنائے گئے[۲] جو شیخ فرید کے والد تھے!

عرش آشیانی محمد جلال الدین اکبر کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہتی تھی اور عرصہ تک اکبر کا محل بے چراغ تھا! حضرت سلیم چشتی قدس سرہٗ کی خدا آگاہی اور نسبت باطنی ہندوستان میں دور دور مشہور تھی! اکبر اپنی اسی استدعا کو لئے ہوئے دلی عقیدت مندی کے ساتھ حضرت سلیم چشتی کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس اعتقاد نے اس درجہ اس کے دل میں جگہ کی کہ اکبر کی منظور نظر رانی۔ جو شیخ الاسلام حضرت سلیم چشتی کی دعا سے حاملہ ہو گئی تھی سیکری میں

نمبر ۲۔ اکبر نامہ علامی ابوالفضل مطبوعہ نولکشور پریس جلد دوم صفحہ ۲۶۷ (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

حضرت موصوف کے زیر سایہ بھیجدی گئی! اور عرصہ دراز تک وہیں رہی! اسی مدت میں فتح پور دارالنور اور دارالسرور بن گیا اور ۹۷۷ھ ۱۵۶۹ء میں اکبر کے ہاں فرزند ارجمند تولد ہوا! اس شاہزادے کا نام بھی اُسی عقیدت مندی کے اظہار میں اکبر نے شاہزادہ نورالدین سلیم رکھا اور خود حضرت شیخ موصوف نے پیار سے "شیخو بابا" کہکر پکارنا شروع کیا!

اکبر کو جو عقیدت حضرت سلیم چشتی سے تھی وہی اس کا باعث ہوئی کہ اولاد بابا صاحب کے وہ افراد جو ترکِ دنیا پر خدمت سلطنت کو ترجیح دیتے تھے معزز عہدوں پر مقرر ہوئے؛ شیخ اعظم کے لڑکے شیخ قطب الدین۔ جو حضرت سلیم چشتی کے نواسے بھی تھے۔ اسی زمانہ میں، نظامتِ سرکار بداؤں پر متعین ہوئے!

شاہزادۂ سلیم کی پیدائش پر۔ غالباً اکبر کے اصرارِ عقیدت آمیز کی وجہ سے۔ حضرت سلیم چشتی نے قریب قریب اپنی کل صاحبزادیوں بیوی اور بہو کا دودھ، تبرکاً و تیمناً سلیم کو پلوادیا! سلیم نے حضرت سلیم چشتی کے زیر سایہ ہاتھ پاؤں نکالے اور حضرت موصوف

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴) نیز۔ ماثر الامرائے تیموری صفحہ ۵۷۱ جلد دوم۔ مطبوعہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن!

کی صاحبزادی۔ قطب الدین خاں کی مادر مہربان۔ کو اپنی ماں کے برابر چاہنے لگا! اسی واقعہ نے شیخ قطب الدین خاں خوبو کو کوکلتاش کا لقب دلوادیا! قطب الدین خاں بدایوں کے ناظم سلیم کی پیدائش سے پہلے۔ یا پیدائش کے وقت۔ ہو چکے تھے کیونکہ ۱۵۷۲ء میں بدایوں[۳] کی آتشزدگی کا سانحہ جگرخراش ان ہی کی نظامت کا واقعہ سمجھا جاتا ہے! سرکارِ بدایوں۔ جو آئین اکبری کے بموجب ۱۳ محال یا پرگنوں پر مشتمل تھی۔ کوئی ایسی معمولی چیز نہ تھی کہ کسی نوآموز و ناتجربہ کار کو یک لخت ایسی بڑی سرکار کا ناظم بنا دیا جاتا! قطب الدین خاں کی خدمات اور اکبر کی عنایات تقررِ نظامت سے بہت پہلے شروع ہو چکی ہونگی! اس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظامت سرکارِ بدایوں اگر پیدائشِ سلیم پر یا اس سے کچھ پیشتر قطب الدین خاں کو تفویض ہوئی تھی، تو اور چھوٹی بڑی خدمات شیخ خوبو سے پہلے ہی ظاہر ہو چکی ہونگی اور ان کا صلہ۔ منصب یا اور کچھ۔ ہر موقعہ پر ملتا رہا ہوگا!

نمبر ۳۔ ملاحظہ ہو گزیٹیر مندرجہ نوٹ نمبر ۱ +

شیخ قطب الدین۔ خوبو یا شیخ جیون۔ ناظم بدایوں عرصہ دراز تک رہے! آتشزدگی کے دوسرے سال یعنی ۱۵۷۳ء میں بدایوں میں فساد برپا ہوا اور غالباً ٹھاکروں یا دوسرے باشندوں کی شرارت اُس کا جزو اعظم تھی! شیخ قطب الدین کے والد شیخ اعظم اسی فساد کے فرو کرنے میں شہید ہوئے! لیکن یہ شورش[۴] جب اور زیادہ بڑھی تو اس کے استیصال کے لئے قطب الدین خاں کو اچھی خاصی لشکرکشی پر مجبور ہونا پڑا! چنانچہ کانٹھ اور گولا کے گورنر حسین خاں کو اس کے فرو کرنے کے لئے بطور امداد آنا پڑا۔ کیونکہ کانٹھ اور گولا بھی سرکار بدایوں کے ماتحت محالات تھے!

قطب[۵] الدین خاں کے ناظم بدایوں ہونے کے علاوہ اس خاندان کے اکثر افراد دور اکبری میں معزز عہدوں پر مامور ہو چکے تھے! قطب الدین خاں کے ماموں زاد بھائی، علاء الدین منصب داروں کی فہرست میں آچکے تھے! شیخ کبیر[۶] ان کے قریبی رشتہ دار روشناس طبقہ امرا ہو چکے تھے! اور شیخ بایزید[۷]۔ قطب الدین خاں کے

نمبر ۴۔ گزیٹر بدایوں مندرجہ نوٹ نمبر ۱، صفحہ ۱۴۲!

نمبر ۵۔ ماثرالامرائے تیموری مطبوعہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی۔ جلد اول صفحہ ۱۱۸!

نمبر ۶۔ ماثرالامرائے تیموری جلد دوم صفحہ ۴۳۳! نمبر ۷۔ ماثرالامرائے تیموری جلد سوم صفحہ ۳۶۵!

دوسرے ماموں زاد بھائی۔ منصب دو ہزاری تک ترقی کر چکے تھے!

قطب الدین خاں ناظم بدایوں کے اقتدار کی نہایت مجمل تصویر اس سے معلوم ہو سکتی ہے کہ آتشزدگی ۱۵۷۲ء سے جو نقصان عظیم بدایوں کی عالی شان جامع مسجد کو پہنچا تھا اور اس کا گنبد ندارد ہو گیا تھا۔ اُس کی از سرِ نو تعمیر قطب الدین خاں ہی نے اپنی جیب خاص سے کرائی! چنانچہ تعمیر کے آغاز کا پورا ثبوت اُس عبارت سے ملتا ہے جو مسجد مذکور کے شمالی ستون پر ایک سنگ سرخ ہیں۔ دو سطروں ہیں۔ بہ ترتیب ذیل کندہ ہے:-

دسطر اوّل) "در عہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی در ۱۰۱۳ھ یک ہزار و سیزدہ ہجری بنا کرد ایں مسجد قطب الدین چشتی عرف شیخ خوبو کوکہ۔ دسطر ثانی) ابو المظفر سلطان سلیم شاہ غازی ابن جلال الدین اکبر باہتمام

نمبر ۶۔ گزیٹر مندرجہ نوٹ نمبر (۱) صفحہ ۱۴۱!

نواب شیخ ابراہیم ولد خانِ مذکور کو کہ مشیرِ عمارت عبدالملک قاضی"

یہ تعمیر جو ۱۱۴۳ھ میں شروع ہوئی تھی عرصہ کے بعد تکمیل کو پہنچ سکی اور یہ ہی وہ قطعہ تاریخ کہتا ہے جو مسجد مذکور کی محرابِ کلاں کے جنوبی ستون پر سنگ سُرخ میں کندہ ہی! قطعہ تاریخ یہ ہے :-

بنائے خانِ قطب الدین مرحوم * شدہ محکم بہ حکمِ خانِ کشور
بعہدِ شیخ فیض اللہ چشتی * شدہ اتمام با صد زینت و فر
پئے تاریخ او گفتم خرد را * زجاں گو خالصۃً اللہ اکبر!

ان دونوں کتبوں پر غور کرنے سے صاف نظر آتا ہے کہ تعمیر مسجد از سرِ نو۔ قطب الدین خاں کے زمانۂ نظامت میں ۱۱۳۰ھ شروع ہوئی تھی، اور ان کے لڑکے نواب شیخ ابراہیم کے اہتمام سے شروع ہوئی تھی۔ مگر اس تعمیر کی قطعی تکمیل نواب شیخ ابراہیم کے حکم سے۔ جو اب کشور خاں کے لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔ قطب الدین خاں کی وفات کے بہت بعد۔ بلکہ خود کشور خاں کے انتقال کے بعد۔ ہوئی! جو کچھ بھی ہو، ایسی عظیم الشان مسجد کی از سرِ نو تعمیر۔ اور اپنی جیب خاص سے۔ ایسی چیز ہے

کہ قطب الدین خاں ناظم بدایوں کے اقتدار و تموّل پر اچھی خاصی روشنی ڈال سکے! تعمیرِ مسجد کے علاوہ محلّہ خیل چشتیان میں نواب قطب الدین خاں نے بڑی بڑی سنگیں عمارات تعمیر کرائی تھیں اور ان ہی میں رنگ محل و رتن محل دو مشہور عمارات تھیں!
اُسی زمانہ میں ایک وسیع محلہ آباد کر کے اس کا نام۔ اپنے بڑے صاحبزادے شیخ ابراہیم کے نام پر۔ ابراہیم پور رکھا تھا جو اب تک اسی نام سے۔ عرف عام میں براہم پور کے نام سے۔ موسوم چلا آتا ہے! ایک کٹرہ اور متعدد دکانات معہ ایک بڑی کارواں سرائے کے اپنے دوسرے صاحبزادے شیخ فتح الدین کے نام سے تعمیر کرائی تھی! اس کٹرہ و دکانات کی جگہ اب کارمیکل گنج ہے، اور کارواں سرائے۔ جو سرائے فتح الدین کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اب ٹاؤن ہال اور اس کے احاطہ میں جذب ہو چکی ہے!
صاف پایا جاتا ہے کہ اولاد بابا صاحب کے وہ نفوس جو۔ فتوحات بابری کے دور میں، فاتحانہ بدایوں میں سکونت

نمبر۹۔ یہ کل تعمیر تمام قلمی نسخہائے تاریخ خاندانی میں نہایت مفصل و مبسوط درج ہے!

پذیر ہوئے تھے سلطنت مغلیہ میں نہایت فارغ البال اور آسودہ حالت میں تھے، خصوصاً نواب قطب الدین خاں، شیخ خوبو۔ ناظمِ سرکارِ بدایوں سب سے زیادہ ذی رتبہ، صاحبِ اقتدار، اور بااثر امیر تھے! گویا شیخ فرید کا وجود جس گھر میں ہوا وہ ہر لحاظ سے بدایوں کا نہایت معزز و سربرآوردہ گھر تھا! کوئی شک نہیں کہ شیخ خوبو کی عزت کو آگے چلکر جہانگیر نے چار چاند لگائے، لیکن نظامتِ سرکار بدایوں اور اُس سے پیدا ہونے والا اقتدار و اثر، وہ چیزیں تھیں جو دورِ اکبری میں ہی حاصل ہو چکی تھیں!

شیخ فرید کی پیدائش کا زمانہ۔ تمام ہندوستان پر نظر ڈالتے ہوئے۔ شخصی سلطنت کا زمانہ تھا! بادشاہتِ خود مختار کا رعب و داب، رعیتِ اسلحہ بند کی شورش و فساد، امرائے با اقتدار کا صاحب لشکر و جاہ ہونا، درباریوں اور شاہزادوں کے توڑ جوڑ؛ تمام باتیں جن کو ایک لحاظ سے قوم و ملک کی زندگی، اور دوسرے لحاظ سے شخصی سلطنت کے عیوب، سمجھا جا سکتا ہے۔ اُس وقت بھی جلوہ گر تھیں! مگر پھر بھی، سلطنتِ مغلیہ کا ہندوستان، نہ تو غوریوں اور خلجیوں کا ہندوستان تھا جس میں فاتحین قریب

قریب موجودہ اصول سلطنت کے موافق۔ مفتوحین سے معاشرت میں، سکونت میں، بے تکلفی آمیز ارتباط میں، ایک حد تک الگ اور کنارہ کش تھے؛ اور نہ موجودہ خاموش و پرامن ہندوستان تھا جس میں استعمالِ اسلحہ تو کجا، استعمال قلم کی بھی قدرت نہ ہو؛ بلکہ یہ وہ ہندوستان تھا، جہاں اکبرِ عرش آشیانی کے حسب مرضی۔ یا علامی ابوالفضل کی پسِ پردہ حکومت کی بدولت۔ ہندوستان کو اپنا وطن سمجھنا اور ہندی رسوم و معاشرت کے سانچہ میں روز بروز ڈھلتے جانا، شعارِ سلاطین بنکر، "اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِهِمْ" کے مصداق، مسلمان آبادی پر مسلط ہوتا جاتا تھا! محل میں رہنے والی رانی پوری آزادی کے ساتھ پوجا پاٹ کرتی تھی، رسم ختنہ غالباً اسی عادتِ رانی نوازی کے سر صدقہ ہو چکی تھی، ریش و بروت بھی اسلامی حدود سے خارج ہو چلی تھیں، سلاطین کا مذاق ایرانی و مغلی ہونے کے بجائے، ہندی و ہندوستانی ہوتا جاتا تھا، اور فاتح و مفتوح کا بیّن امتیاز۔ ناعاقبت اندیشی و جہالت سے، یا دانشمندی و مصلحت سے۔ یک قلم اٹھتا جا رہا تھا!

عرش آشیانی کا دور شخصی سلطنت کے ناگزیر نقائص کو نظر انداز کر کے۔ سلطنت مغلیہ کا زریں زمانہ تھا! فتوحات و ملک گیری

میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی، باغیوں کو ہر موقعہ پر بقرارِ واقعی سزا ملجاتی تھی، اور بڑے بڑے گردن کش جنگجو حلقہ بگوشِ اطاعت ہوتے جاتے تھے! لیکن بغاوت و فساد۔ فی نفسہ۔ موجود تھا، اور موجود رہا! شورش کا مادّہ فاسد جسم سلطنت سے اُن دیر پا اور مضعف کُن اصولوں پر خارج نہیں کیا گیا تھا جن پر کاربند ہونے سے ہندوستان پر۔ موجودہ ہندوستانِ پُرامن کی طرح۔ عرصہ دراز کے لئے عالمگیر سکونِ بحیں چھایا رہتا! شورش ہوتی تھی، بغاوت ہوتی تھی، فساد ہوتا تھا، اور ان سب کا فوری انسداد لشکر کشی کی صورت میں ہمیشہ کر دیا جاتا تھا! رعیت تعلیم یافتہ نہ تھی اور اسی لئے طبقۂ عوام اپنے جاگیر داروں یا عمّال کا بلا چون وچرا مطیع تھا: وکالت و قانونِ کشش ملکش ۲ میز مفقود تھا اور نمک حلالی کے انعام اور حرام نمکی کی سزا کے لئے، عرصہ تک انتظار کرنا اور مختلف دروازے کھٹکھٹانے نہیں پڑتے تھے: تقریباً کل آبادی رائج الوقت اسلحہ کے استعمال کی عادی اور شرکت جنگ کے لایق بنی رہتی تھی: غلہ کی ارزانی اور ضروریاتِ زندگی کی قلت آمیز سادگی، ہر شخص کو فارغ البال اور احتیاجِ ہمت شکن سے مامون رکھنے کے لیئے کافی تھی! طبقۂ امرا یا اشراف

صاحبِ قوت، اور فی الحقیقت متمول گروہ تھا اور سلاطین، ہندوستان ہی میں پیدا ہوتے تھے، اسی آب و ہوا سے نشو و نما پاتے تھے، اسی کی پیداوار پر گلچھرّے اُڑاتے تھے، اسی کی زمین پر عجائباتِ دنیا سمجھی جانے والی عماراتِ سر بفلک کشیدہ تعمیر کراتے تھے، اسی کے باشندوں کو تہِ تیغ کرتے تھے، اسی کے سپوتوں کو صاحبِ لشکر و حشم بناتے تھے اور آخر کار۔ اسی ملکِ نظر فریب میں۔ تمام عمر اچھی یا بُری طرح بسر کرنے کے بعد، ہندوستانی مٹّی کے نیچے محوِ خوابِ عدم ہو جاتے تھے!

دربار رسی اور روشناسیِ طبقۂ اعلیٰ نہایت مشکل کام تھا! عرصہ کی اطاعت و جاں نثاری کا زینہ ہی صرف اس مقصد بلند پایہ تک پہنچا سکتا تھا! جاگیر و معافی، خطاب و منصب، تقربِ سلاطین، یہ سب باتیں ایسی مادّی عزت سے معمور تھیں کہ ان کا پانے والا حقیقی معنوں میں مستغنی، متموّل، صاحبِ حکومت و اثر، اور کئی پشتوں کے لئے مالا مال ہو جاتا تھا! مگر اس میں بھی شک نہیں کہ یہ مادّی منفعت بلا خدمتِ سرفروشی کے حاصل نہیں ہوتا تھا! خدماتِ اعلیٰ اور کارہائے پسندیدہ

زیادہ تر فوج میں عملی حصہ لینے پر منحصر تھے اور محض قلم کے گھوڑے سطحِ کاغذ پر دوڑا لینے سے عزتِ اصلی کا میدان ہاتھ نہیں آسکتا تھا! گویا خدمت بھی جاں فروشی اور ہمہ تن تصدقِ ملک ہوجاناتھی، اور عزت بھی ٹھوس، دیرپا، حکومت اصلی سے معمور اور مستغنی بنا دینے والی تھی! اس کے ساتھ ہی ساتھ مزاجِ سلاطین ایک قطب کی حیثیت رکھتا تھا جس کی طرف طبقۂ امرا اور گروہ دربار رس کا قطب نما ہمیشہ مائل رہتا تھا!

حصولِ تخت کے لیئے شاہزادوں میں چشمک اور امرا میں گروہ بندی لازمی نتیجہ تھا: ظل اللہ بننے کا شوق بعض اوقات حقیقی بھائیوں - بلکہ باپ بیٹوں - میں تلوار کی بجلیاں چمکا دیتا تھا اور طبقۂ بااثر مخالفین پر تقسیم ہو کر آپس میں ہی خون کی ندیاں بہا دیتا تھا! زبان و الفاظ کا پاس، عزت کا احساس، شعارِ قومی کی تقلید، باغیوں کی قطع و برید، سینہ میں دل - دل میں حوصلہ: قبضۂ شمشیر پر ہاتھ - ہاتھ میں طاقت: مختصر یہ کہ - ہندوستان منچلا اور جاہل، مطمئن اور جنگجو، قوی اور محوِ متوج شجاعت نظر تھا!

تار، ریل، موٹر، اور تمام نئی ایجادات دنیائے ہند سے

"مفقود تھیں: مگر ان تمام نمائشی مایحتاجِ زندگی سے لاعلمی تھی۔ اور لاعلمی کی وجہ سے ان کے حصول کی ادنٰے بھی خواہش پیدا نہ تھی! گویا زندگی۔ اُس کی محدود ضروریات کے لحاظ سے۔ بدرجہا آسان ہستی، اور سادہ تھی! اسی کی وجہ سے تنہا خوری اور عدمِ تواضع ناقابل معافی سوشیل گناہ تھے! مکر و دنیا سازی تھی تو ضرور؛ مگر مکر اور دنیا سازی کے ہی نام سے پکاری جاتی تھی۔ کوئی "حکمتِ عملی" اور "مصلحتِ وقت" جیسا معزز لقب اُن کو عنایت نہیں ہوا تھا اور نہ وہ اس وقت تک دنیا میں ڈپلومیسی، اور پالیسی کی اونچی اسٹیج پر جلوہ افروز ہوسکی تھیں! مخالفت و عناد کا طول دلی بغض میں عرصہ دراز تک نہیں رہ سکتا تھا اور سادہ لوح طبائع بہت جلد اس کا اختتام یا تو صلحِ باطنی میں کرا دیتی تھیں، یا تلوار کھلّم کھلّا۔ ڈنکے کی چوٹ۔ ثالث بالخیر بنا دی جاتی تھی! ہر کام میں استقلال تھا؛ ظاہر و باطن یکساں تھا؛ سب سے بڑا قصور بغاوت، اور سب سے زیادہ ضروری فرض اطاعت تاج و تخت، تھی! ہر منصب دار اپنی ذات کے منصب نقد کے علاوہ ایک خاص تعداد رسالہ کی بھی رکھنے پر مجبور تھا جن کے لئے نقد اخراجات "سوار" کے نام سے علٰحدہ ہوتے تھے کبھی

مہم کی تعیناتی پر منصب داران متعینہ کے نام فرمان و پروانہ جاری ہوتے تھے، خلعت و تلوار وغیرہ ہمت افزائی کے لئے عنایت ہوتی تھی اور سپاہ شاہی کے علاوہ ہر منصب دار کی جماعت کمک اور لڑائی کی شرکت میں کنٹنجنٹ کی حیثیت رکھتی تھی! فتوحات پر، انعام و صلہ کے طور پر، منصب و جاگیر عطا ہوتے تھے، نظامت و گورنری کے جلیل القدر عہدے تفویض ہوتے تھے اور ہر طرح عزت افزائی کی جاتی تھی! ہر ناظم و جاگیردار کے علاقہ و صوبہ میں بادشاہ کی جانب سے ایک واقعہ نگار مقرر رہتا تھا جو وقتاً فوقتاً اُس جاگیردار کی حالت چال و چلن اور ارادہ اطاعت یا بغاوت سے دربارِ شاہی کو اطلاع دیتا رہتا تھا، اور ہر ناظم و جاگیردار کی طرف سے ایک وکیل دربار شاہی میں حاضر رہتا تھا جو احکاماتِ شاہی سے اس کو مطلع کرتا رہتا تھا!

ایسے زمانہ، ایسی حالت گردوپیش، اور ایسی سرزمین میں شیخ فرید، نواب قطب الدین خاں - سرکار بدایوں کے نامور ناظم کے [illegible] گھر [illegible] میں پیدا ہوئے!!

بزرگ [illegible] قطب الدین خاں کے قتل کے وقت (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

(۳)

شیخ خوبو دورِ جہانگیری میں اور ایک تاریخی غلط فہمی

شیخ فرید کی پیدایش سے لیکر دورِ اکبری کے اختتام تک قطب الدین خاں کے اقتدار و مرتبہ میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا۔ وہ ناظم سرکارِ بدایوں تھے اور غالباً آخر تک رہے کیونکہ جامع "مسجد بدایوں" کی آغاز تعمیر کا سنہ اکبر کی وفات سے ایک ہی سال پیشتر کا ہے! ۱۰۰۸ھ سے ۱۰۱۴ھ تک ہندوستان کی سلطنت میں بہت کچھ اضافہ فتوحات ہوتا رہا لیکن قابلِ ذکر واقعہ شاہزادہ سلیم کی عارضی خودسری تھی! اکبر نے برہان پور جاتے وقت شاہزادہ سلیم کو مہم رانا پر روانہ کیا تھا۔ مگر اجمیر میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷) یعنی ۱۰۱۶ھ میں۔ خاندانی تواریخ قلمی میں آٹھ سال کے قریب ظاہر کی ہے۔ اسی کی رو سے پیدایش ۱۰۰۸ھ کی سمجھی جاسکتی ہے!

مصروفِ شکار رہکر سلیم بجائے مہم رانا کے شکارِ تخت و تاج کے
خواب دیکھنے لگا تھا! دیکھنے ہی نہیں، بلکہ عملی صورت میں بھی
نقل و حرکت کرنے لگا تھا! اکبر جیسے پختہ کار نے سمجھایا، پیغامات
بھیجے، لیکن جب معاملہ طول کھینچتا گیا تو اُسے بادلِ ناخواستہ دکن
کی روز افزوں فتوحات سے دست کش ہو کر دار الخلافہ کا رُخ
کرنا پڑا!

شاہزادہ سلیم الہ آباد میں مصروفِ انتظام تھا! اس کے پکے جاں نثار
اور سچے خادم اُس کے ساتھ تھے! نواب قطب الدین خاں بھی ممکن
نہ تھا کہ ایسے موقع پر ساتھ چھوڑ دیتے! چنانچہ اُس عالم رواروی
میں جو انتظامات سلیم نے کئے تھے اُن میں سے ایک یہ بھی
تھا کہ قطب الدین خاں ۔شیخ خوبو۔ کو صوبۂ بہار کی نظامت یا
گورنری عطا ہوئی! اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سلیم کے دل میں
شاہزادگی کے زمانہ سے ہی شیخ خوبو کی کسقدر قدر و منزلت
تھی اور شیخ جیون اس کو کس درجہ عزیز تھے! شاہزادہ سلیم کی
خود سری کا معاملہ کم و بیش دو ڈھائی سال چلتا رہا! ابو الفضل
کا قتل، اکبر کی والدہ ۔مریم مکانی۔ کا انتقال، خسرو کی سلیم کے
خلاف ریشہ دوانی، اور سلیم کی بیوی ۔خسرو کی ماں۔ کی ناخلف

لڑکے سے تنگ آکر خودکشی! یہ کل واقعات اُسی زمانہ میں
اور۔ کہا جاتا ہے کہ۔ اُسی خودسری کے باعث سے ظہور پذیر
ہوئے! اکبر کی دوراندیشی اور استقلال نے اُس بغاوت
کو کوئی خوفناک صورت اختیار نہ کرنے دی اور آخر کار
باپ بیٹے کی باہم غلط فہمیاں، فطری محبت کے تقاضہ سے
دور ہوگئیں اسلیم نے سر جُھکا دیا اور اکبر نے سینہ سے لگا لیا۔
نہ کوئی فساد تھا نہ بغاوت!

اکبر عرش آشیانی کی آنکھ بند ہوتے ہی، خسرو ناخلف نے
اپنے خسر خان اعظم اور اپنے ماموں راجہ مان سنگھ کے بل پر
بہت کچھ ہاتھ پاؤں پیٹے مگر شاہزادہ سلیم نے مرتضےٰ خان بخاری
کو اپنے ساتھ لیا، مان سنگھ کو بنگالہ کی گورنری کا لقمہ تر دیکر ٹالا،
اور تختِ ہندوستان پر جہانگیر کے لقب سے جلوہ افروز ہوگیا!
شخصی سلطنت میں ایک دور ختم ہوکر دوسرا دور شروع ہونے
کا اثر محض تخت تک محدود نہیں رہتا بلکہ سلطنت کی حدود تک
اُس انقلاب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں بچ سکتیں! جہانگیر کے
تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی اُس کے مخالفین پر عتاب کا
عذاب، اور اس کے جاں نثاروں پر بذل خسروانہ کی رحمت،

نازل ہونے لگی! قطب الدین خاں کے ساتھ جو محبت دلی جہانگیر کو تھی اُس کے لحاظ سے یہ کہنا کسی طرح مبالغہ نہیں ہو سکتا کہ قطب الدین خاں کا مرتبہ و اقتدار دورِ جہانگیری میں اگر سب سے زیادہ نہ تھا، تو کسی سے کم بھی نہ تھا!

قطب الدین خاں کو جہانگیر۔ خود جہانگیر کے الفاظ ہیں کہ۔ بھائی بیٹے کے برابر سمجھتا تھا اور ان کی والدہ بی بی خدیجہ کو۔ جو حضرت سلیم چشتی کی صاحبزادی تھیں۔ اپنی حقیقی ماں کے برابر جانتا تھا! اسی وجہ سے قطب الدین خاں، کوکلتاش کے لقب سے ملقب ہو گئے! محض شاہی کوکہ ہونا فی الحقیقت اس اقتدار و مرتبہ کا باعث نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا! حضرت سلیم چشتی کے حکم سے اُن کی صاحبزادیوں اور بہوؤں نے تبرکاً و تیمناً جہانگیر کی پیدائش پر اس کو دودھ پلایا تھا، لیکن جہانگیر کو جس قدر اُنس بی بی خدیجہ سے تھا اس قدر حضرت سلیم کی صاحبزادیوں میں سے اور کسی سے نہ تھا! باقاعدہ طور پر جہانگیر کو دودھ پلانے کے لئے زین خاں کی ماں تھیں جنھوں نے اناکی طرح جہانگیر کو دودھ پلایا تھا، اور اسی وجہ سے زین خاں نے

تجمہ اترجمہ تزک جہانگیری سال دوم جلوس، ذکر قتل قطب الدین خاں!

کوکہ کا لقب پایا تھا! شاہی کوکہ کی جو عزت ہوتی تھی اور ہوئی اُس کا اگر قطب الدین خاں کی عزت اور اُس برتاؤ سے جو قطب الدین خاں کے ساتھ کیا جاتا تھا، مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ تمام اقتدار محض کوکہ ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حضرت سلیم چشتی کی عظمت و تقدس۔ جس سے شیخو بابا پوری طرح متاثر تھا۔ اس کا باعث ہوئے! قطب الدین خاں کو جہانگیر کا اپنے قلم وزبان سے بھائی بیٹے کے لقب سے یاد کرنا ایک ایسی عزت تھی کہ اُس زمانہ میں اقتدار کی معراج سمجھی جاسکتی ہی! بی بی خدیجہ سے جہانگیر اس درجہ مانوس تھا کہ ان کے انتقال پر ان کے جنازہ کو خود[۲] جہانگیر۔ شہنشاہِ ہندوستان نے کئی قدم تک کندھا دیا تھا، صدمہ و رنج کی وجہ سے کئی روز نہ کھانا کھایا تھا، نہ کپڑے تبدیل کئے تھے! صرف یہ ہی واقعہ بتاسکتا ہے کہ قطب الدین محض ایک شاہی انّا کے لڑکے تھے، یا بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی اولاد اور حضرت سلیم کے نواسے ہونے کی وجہ سے ذی عزت و صاحب مرتبہ تھے! شہنشاہِ ہندوستان کا خود

نمبر ۲۔ ترجمہ توزک جہانگیری سالِ اول جلوس۔ تقریبِ اختتام!

کسی کو کندھا دینا ایسی عزت نہ تھی کہ اُس زمانہ میں محض دودھ پلانے والی انّا کو نصیب ہوئی ہو یا ہوتی ہو!

دورِ جہانگیری کے شروع ہوتے ہی، قطب الدین خاں کے اقتدار و مرتبہ میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی!

قطب الدین خاں کی وہ خدمات جو عرصہ سے سلیم کے ساتھ کرتے آئے تھے، اور وہ استقلال و پامردی جس کا اظہار انہوں نے شاہزادہ سلیم کا ساتھ زمانہ خودسری میں دیکر کیا تھا، اور ایسے نازک وقت میں۔ جبکہ اکثر رکابی مذہب امرا اکبر سے جا ملے تھے۔ دامنِ سلیم کو کبھی نہیں چھوڑا تھا، اب بار آور ہونے شروع ہوئے! پہلے ہی سال[۱] میں "خانی" کا خطاب عطا ہوا، شمشیرِ مرصّع عطا ہوئی، خنجرِ بیش بہا۔ جس کی قیمت خود جہانگیر چھ[۲] ہزار روپیہ بتاتا ہے عطا ہوا، اور عطیات شاہی کا دروانہ کھُل گیا! اسی سال میں قطب الدین خاں کے ماموں زاد بھائی شیخ بایزید کو معظم[۲] خاں کا خطاب ملا اور دہلی کی حکومت عنایت ہوئی! غالباً پہلی مرتبہ۔ اسی سال میں۔ نواب قطب الدین خاں نے اپنے بڑے لڑکے شیخ

نمبر۱۔ جہانگیر نامہ مطبوعہ مطبع نول کشور صفحہ ۵ !

نمبر۲۔ ترجمۂ توزکِ جہانگیری سالِ اولِ جلوس !

ابراہیم کو پیش کیا چنانچہ کشور خاں کا خطاب اور "ہزاری ذات وسہ صد سوار" کا منصب جہانگیر نے شیخ ابراہیم کو بھی عطا فرمایا!
شاہزادہ سلیم کے جہانگیر بنتے ہی، نواب قطب الدین خانِ کلناش آسمانِ عزو مرتبہ کے مہ نیم ماہ بنکر چمکنے لگے! پہلے ہی سال کے جشنِ قمری کے موقعہ پر، نمک حلالی و جاں نثاری کا معاوضہ شہنشاہ جہانگیر کے حکم سے ابرِ رحمت کی طرح برس پڑا! "پنج ہزاری ذات" کا منصب اعلیٰ و ممتاز عطا ہوا؛ خلعت خاصِ مرحمت ہوا؛ شمشیر مرصع عنایت ہوئی؛ خاصہ کا بیش قیمت گھوڑا معہ زینِ مرصع بخشا گیا؛ اور بنگالہ واوڑیسہ کی صوبہ داری۔ جو پچاس ہزار سوار کی جگہ تھی، اور جس کے صوبہ دار کو انگریزی مورخ وائسرائے کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ تفویض ہوئی! اس عزت و مرتبہ کے ساتھ قطب الدین خاں بنگالہ کے وائسرائے بنکر، اول سالِ جہانگیری میں بنگالہ کی طرف چلے اور ایسے کر و فر کے ساتھ چلے کہ ایک لشکرِ جرار ہمرکاب کیا گیا اور دو لاکھ روپئے نقد اخراجات کے لئے

نمبر۵۔ کل عطیات کا تذکرہ توزک جہانگیری میں جشن وزن قمری سال اول میں درج ہے!
نمبر۶۔ ملاحظہ ہو تاریخ ہندوستان مؤلفہ ایلیٹ صاحب جلد ششم صفحہ ۲۰۲-۲۰۳!

عنایت کیئے گیئے! قطب الدین خاں کم و بیش ایک سال بنگالہ کے وائسرائے رہے، کیونکہ دوسرے ہی سال شیر افگن خاں کی بغاوت کے انسداد میں شیر افگن خاں کی عیّاری نے ان کا خاتمہ کر دیا! جہانگیر اور نور جہاں کی وجہ سے یہ واقعہ اسقدر مشہور ہے کہ قریب قریب ہر تاریخ میں موجود ہے! چونکہ جہانگیر کسی زمانہ میں نور جہاں کو محبت کی نظر سے دیکھتا تھا، اور قطب الدین خاں کی شہادت کی وجہ سے ہی شیر افگن کا قتل وجود میں آ کر نور جہاں کو اس سے نجات ملی تھی، اس لیئے شیر افگن کے قتل کو بھی عموماً مورخین نے اُسی محبّت کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے جو جہانگیر کو نور جہاں سے تھی! وھیلر صاحب نے اپنی "تاریخ ہندوستان" میں اس واقعہ کو جس طرح توڑ موڑ کر بیان فرمایا ہے اُس کا لبّ لباب یہ ہے کہ نور جہاں ایک ایرانی کے ساتھ پہلے سے منسوب تھی اور جہانگیر کی نظر اُس پر بعد میں پڑی: اکبر کے جیتے جی جہانگیر نور جہاں کو شیر افگن کے پنجہ سے نہ نکال سکا مگر اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی وائسرائے بنگالہ نے جہانگیر کی پوشیدہ فہمایش پر شیر افگن کا مقابلہ کیا جس میں دونوں مارے گیئے اور اس طرح نور جہاں جہانگیر کے قبضہ میں آ گئی! وھیلر صاحب کی مجمل اور خلاف واقعہ تحریر دیکھکر مجھے

ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس واقعہ کو شرح و بسط کے ساتھ مستند تواریخ سے لیکر پیش کش ناظرین کروں اور اس کا فیصلہ خود ناظرین پر چھوڑ دوں کہ یہ واقعہ عام طور پر کس قدر غلط بیان کیا گیا اور سمجھا گیا ہے!

٭ وہیلر صاحب کی "تاریخ ہندوستان" کی موٹی موٹی آٹھ جلدیں ایک ناواقفِ تاریخ کو مرعوب کرنے کے لئے کافی سے بھی زیادہ ہیں، لیکن معلومات کی وسعت کا پتہ صرف اس سے ہی چل سکتا ہے کہ آپ نور جہاں کا ایک ایرانی سے منسوب ہونا جہانگیر کی محبت آمیز نظر پڑنے سے پیشتر کا واقعہ بیان فرماتے ہیں، حالانکہ اس کا وجود کسی مستند تاریخ میں نہیں! اور تو اور آپؒ نور جہاں کو شیر افگن کے قتل کے بعد جہانگیر کی راجپوت ماں کی پرستاری میں دیدیتے ہیں! ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا!

٭ ملاحظہ ہو Vol. IV کا Wheeler's "History of India" صفحہ ۲۰۲! تعجب ہے کہ سلیمہ سلطانہ بیگم کو وہیلر صاحب راجپوت بیان فرماتے ہیں حالانکہ وہ ہمایوں بادشاہ کی بہن گلرخ بیگم اور مرزا نور الدین محمد خواجہ کا سعری کی لڑکی تھیں اور راجپوت خون ان میں کسی طرف بھی نہ تھا! یہ جہانگیر کی سوتیلی ماں ضرور تھیں اور نور جہاں ان کی پرستاری میں بھی رہی نہیں، مگر ان کو جہانگیر کی راجپوت ماں بیان کرنے سے وہیلر صاحب کی تحقیق اور شان واقعہ نگاری کا پتہ چلتا ہے!

سب سے بہتر اور آسان تو یہ ہوگا کہ کل واقعہ "توزک جہانگیری"
سے نقل کر دیا جائے، لیکن بعض طبائع "توزک جہانگیری" کو اس
واقعہ کے لئے قابلِ تسلیم نہیں سمجھتیں۔ اور محض اس وجہ سے نہیں سمجھتیں
کہ جہانگیر بذاتِ خود ایک فریق۔ بلکہ انکی نگاہ میں فریقِ مجرم ہے!
جہانگیر نے توزک جہانگیری میں جس۔ راست بیانی اور صفائی سے
کام لیا ہے وہ اس سے ہی ظاہر ہے کہ وہ ابو الفضل کے سازشِ
قتل سے لیکر اپنی شراب نوشی اور افیون خوری تک کو من و عن
درج کر دیتا ہے: ہر شخص کے قتل و سزا کو بلا کم و کاست بیان کر دیتا
ہے؛ پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ محض اس واقعہ کو غلط لکھتا یا نہ لکھتا!
توزک جہانگیری کو چھوڑ کر "جہانگیر نامہ" کو لیا جائے تو وہ بھی لفظ
بہ لفظ توزک جہانگیری کی تصدیق کرتا ہے۔ "اقبال نامہ جہانگیری"
میں بھی یہ ہی نظر آتا ہے! ان سب مورخین کو جہانگیر سے خالف
مان کر علیحدہ رکھدیا جائے تو متاخرین میں سب سے زیادہ با وقعت
خافی خاں اور اس کی مستند تاریخ منتخب اللباب سمجھی جاسکتی ہے!
خافی خاں اس واقعہ کو مذکورہ بالا تواریخ سے نہیں لیتا بلکہ
"منبع الصادقین" سے استنباط کرتا ہے اور اس بنا پر استنباط

نمبر ۲۔ منتخب اللباب خافی خاں جلد اول صفحہ ۲۶۳!

کرتا ہے کہ "منہج الصادقین" کا مؤلف محمد صادق تبریزی تھا جو نہ ہندوستان کا باشندہ تھا اور نہ جس پر جہانگیر کا کوئی اثر تھا! میں بھی اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ منتخب اللباب سے لیتا ہوں اور دکھانا چاہتا ہوں کہ عموماً کتب تواریخ رائج میں کسقدر فاش غلط فہمی ہوئی ہے!

کہتے ہیں[9] کہ غیاث بیگ ولد خواجہ محمد طہرانی، طہماسپ صفوی شاہ ایران کے عہد میں حاکم خراسان تھا، حوادث لیل ونہار سے اس درجہ عسرت ومفلسی تک پہنچا کہ وطن کو خیرباد کہکر ہندوستان کو چلا! اسی ناداری کے عالم میں قندھار کے قریب ایک لڑکی پیدا ہوئی اور تنگدستی کے باعث ایک کپڑے میں لپیٹ کر قافلہ میں ڈالدی گئی! بچّہ کے رونے کی آواز ایک شخص کے کان تک پہنچی جو اُسے اُٹھا کر ملک مسعود سالار باشی کے پاس لایا: خدا کی شان، دودھ پلانے کے لئے اُس لڑکی کی ماں ہی قافلہ بھر میں میسر آسکی! خواجہ مسعود کو سارا حال معلوم ہوگیا اور ہندوستان پہنچکر اس نے دیگر تحائف کے ساتھ غیاث بیگ کو اکبر کے حضور میں

نمبر ۹- ملاحظہ ہو منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۲۶۳ تا ۲۶۵ !

پیش کر دیا! مختصر یہ کہ اس طرح غیاث بیگ اور اس کا لڑکا ابوالحسن ملازمان شاہی کے زمرہ میں داخل ہو گئے اور انکی بیوی و لڑکی محل میں بیگمات شاہی کی خدمت سے بہرہ اندوز ہونے لگیں! اُس لڑکی۔ مہرالنسا خانم۔ نے ہوش سنبھالا، ہاتھ پانوں نکالے، اور رحمتِ صورت آفرین سے غضب کا حُسن پایا! آفتابِ شباب کے انعکاس کے ساتھ ہی جہانگیر کی معنی خیز نظریں بھی پڑنے لگیں، اور رفتہ رفتہ یہ راز طشت از بام ہو کر اکبر کے کان تک پہنچا! اکبر نے جہانگیر سے بچانے کے لئے فوراً علی قلی اِستاجلو کے ساتھ شادی کر دی اور اس طرح اس شعلۂ جوالہ کو جہانگیر کے سر سے ٹالا! علیؔ قلی اِستاجلو شاہ طہماسپ صفوی کا سفرچی۔ یا سفرہ چی۔ تھا، جو گردش زمانہ کے ساتھ بدی حال ہو کر خان خاناں کے پاس اس وقت پہنچا تھا جب وہ ٹھٹہ کی فتح میں مشغول تھا! خان خاناں نے اُس کو اکبر کے دربار تک پہنچایا اور ملازمت شاہی دلوائی! اس علی قلی استاجلو کے ساتھ مہرالنسا خانم کی شادی اکبر نے کر دی اور جہانگیر کی محبت پیدا

نمبر ۱۔ مؤلف جہانگیر نامہ علی قلی کو شاہ اسمعیل صفوی کا سفرچی بتاتا ہے صفحہ ۲۳ !

ہوتے ہی کچل دی گئی! شادی کے بعد جب جہانگیر کو اکبر نے مہم رانا پر بھیجا تو علی قلی کو اس کی خدمت میں تعینات کیا! علی قلی نے اُسی زمانہ میں۔ یعنی جہانگیر کے زمانہ خودسری میں۔ جہانگیر سے شیر افگن [۱۱] کا خطاب حاصل کیا اور جاگیر معقول پائی! باوجود اس الطاف و مہربانی کے، علی قلی نے آخر زمانہ میں دھوکہ دیکر جہانگیر کا ساتھ چھوڑا اور اکبر سے آملا! جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت خیال تھا کہ وہ اس حرام نمکی کی پاداش بھگتے گا، مگر جہانگیر نے عین خطا پوشی سے کام لیا اور بجائے سزا دینے کے، قصور گزشتہ کو معاف کرکے، بردوان عنایت کیا اور ہر طرح عزت افزائی کی! بردوان کی صوبہ داری ملتے ہی علی قلی نے جور و تعدی شروع کردیا اور دو سال تک متواتر اُس کے مظالم کی شکایات جہانگیر کے گوش زد ہوتی رہیں! جب [۱۲] جہانگیر کو اس بات کا علم ہوگیا کہ شیر افگن نافرمان اور آمادۂ بغاوت ہے تو قطب الدین خاں وائسرائے بنگالہ کو حکم ملا کہ اس کو بُلا کر فہمائش کریں۔ اور اگر وہ راہ راست پر نہ آئے

نمبر ۱۱ منتخب اللباب خافی خاں جلد اول صفحہ ۲۶۶۔ نیز۔ تاریخ ہندوستان مؤلفہ ایلیٹ صاحب جلد ششم صفحہ ۴۰۲ و ۴۰۳!

نمبر ۱۲۔ Elliot's History of India Vol. VI صفحہ ۴۰۲ و ۴۰۳!

تو بارگاہ والا کو روانہ کریں! قطب[۱۳] الدین خاں نے بنگالہ پہنچکر آدمی
د بحریر کے ذریعہ سے مکرر شیر افگن کو طلب کیا اور اُس نے آنے میں
تغافل و تجاہل سے کام لیا اور عذرات نامعقول پیش کیے تو انھوں
نے دربار شاہی کو سارا حال لکھ بھیجا! اس پر حکم شاہی صادر ہوا کہ
اس کو فوراً روانۂ بارگاہ کیا جائے! مجبوراً قطب الدین خاں نے
اپنے آپ کو اس کے علاقہ تک پہنچایا اور ملاقات کا پیغام بھیجا:
شیر افگن بکتر و شمشیر نیمہ آستین کے اندر چھپا کر چند آدمیوں کی ہمراہی
میں قطب الدین خاں کے پاس پہنچا! شیر[۱۴] افگن کی شورش طلبی
کی یہ حالت تھی کہ وہ قطب الدین خاں کے بنگالہ پہنچنے سے پہلے ہی
محض اپنے وکیل کی تحریر پر، شاہی واقعہ نگار سے کہہ چکا تھا کہ "میں
آج سے شاہی ملازم نہیں ہوں"! اُس کی اس شورش طلبی کا لحاظ
رکھتے ہوئے قطب الدین خاں نے شاہی احکامات کو - جو بغاوت
کی وجہ سے یقینی درشت ہوں گے۔ ملایم الفاظ میں ادا کرنا چاہا
مگر شیر افگن کی طبیع بغاوت جو کو وہ پھر بھی نا ملایم معلوم ہوئے!

نمبر ۱۳ - منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۲۶۶ تا ۲۶۷ - نیز - ایلیٹ صاحب کی تاریخ
ہندوستان مندرجہ نوٹ نمبر ۱۲!

نمبر ۱۴ - ماثر الامرائے تیموری جلد سوم صفحہ ۶۶!

شیر افگن اب مارنے مرنے پر تُل بیٹھا اور فریب کے طور پر، اُس[۱۵]
نے قطب الدین خاں کے ہمراہیوں کی نسبت۔ جو اس پاس
موجود تھے۔ اعتراض کیا؛ قطب الدین خاں نے تمام آدمیوں
کو ہٹا دیا اور خود اُس کے ساتھ تنہا باتیں کرتے ہوئے کئی قدم
نکل گئے! اسی اثناء میں موقعہ پاکر شیر افگن نے وہ نیمچہ جو آستین
میں چھپائے ہوئے تھا، نکال کر قطب الدین خاں کے پیٹ پر
مارا؛ قطب الدین خاں نے آواز دی کہ "اس نمک حرام کو جانے
نہ دینا" اور انبہ خاں کشمیری نے بڑھکر ایک ہاتھ اُس کے سر پر
دیا: انبہ خاں بھی زخم کھا کر گرا اور تمام ہمراہیان قطب الدین خاں
نے شیر افگن کی تکہ بوٹی کر ڈالی!

اب ذرا ٹھہرئیے! اور تمام مذکورہ بالا واقعات پر۔ ٹھنڈے
دل کے ساتھ۔ نظر ڈالئیے! مہرالنسا خانم کی اُٹھتی ہوئی جوانی یا حسنِ
صبر سوز، دوشیزگی کے عالم میں، نگاہِ دزدیدہ کے ذریعہ سے،
ایک تیر شاہزادہ سلیم کی طرف۔ دانستہ یا نادانستہ۔ پھینکدیتا ہی
اور خوش قسمتی سے نشانہ بھی سویدا کو "بلز آئی" بنا دیتا ہے!

نمبر ۱۵۔ جہانگیر نامہ مطبوعہ منشی نولکشور صفحہ ۲۳ تا ۲۵!

سلیم کے دل میں اس شعلۂ جوالہ کی محبت۔ ایسے زمانہ میں جبکہ وہ کسی سے منسوب نہ تھی۔ اگر ہو جاتی تو تعزیراتِ رائج الوقت کے بموجب کون سے جرم کا ارتکاب ہوتا ہے؟ عقل سلیم تو یہی بتاتی ہے کہ غیاث بیگ مفلوک الحال کی لڑکی کو ولیعہد ہندوستان کی محبت کا علم ہوتے ہی عجیب غرور و خود نمائی آمیز پیدا ہوا ہوگا اور مسرت و افتخار کی ایک رو ہر موئے بدن میں دوڑ گئی ہوگی! کہاں شہنشاہِ ہندوستان بننے والا جہانگیر اور کہاں مصیبت زدہ والدین کی لڑکی مہرالنسا خانم؟ اکبر نے جہانگیر کا یہ ارادہ محض اس وجہ سے پورا نہیں ہونے دیا کہ وہ مہرالنسا کو جہانگیر کے لئے قطعی ناموزوں، خلافِ شان، اور ذلیل سمجھتا تھا! محض اس خیال سے کہ محبت بڑھتے بڑھتے تعشق کا رنگ نہ لے لے، اکبر نے عجلت کے ساتھ علی قلی استاجلو کو راضی پا کر مہرالنسا کو اس کے سر منڈھ دیا اور اس طرح "گربہ کشتن روزِ اول" کے اصول پر جہانگیر کی محبت کو "آغاز" ہی میں کچل دیا! عام مورخین کا۔ اور زیادہ تر اُن افسانہ نگاروں کا جنہوں نے نورجہاں و جہانگیر کی محبت کو لیلےٰ و مجنوں کے عشق کے ہم پلہ بنا دیا ہے۔ یہ خیال ہے کہ مہرالنسا خانم علی قلی کی بیوی بن گئیں لیکن اُن کی محبت جہانگیر کے دل میں برابر شعلہ کی طرح بھڑکتی رہی اور جہانگیر

کو علی قلی سے اسی وجہ سے رقابت پیدا ہوگئی! یہ خیال ہی تمام غلط فہمی کی بنا، اور از سر تا پا خلاف واقعہ ہی! ظاہر ہی کہ مہر النسا خانم کی شادی کے بعد علی قلی استاجلو جہانگیر کے ساتھ مہم رانا پر متعین رہا اور جہانگیر فی الحقیقت آتش رقابت سے جلتا ہوتا تو اپنے رقیب کو اپنے قبضہ میں کر کے بڑی آسانی سے اسکا خاتمہ کر دیتا! کہا جا سکتا ہی کہ خوف اکبر یا خیال بدنامی مانع ہوا ہو گا مگر یہ بھی بے بنیاد خیال ہی: اس لیئے کہ اسی زمانہ میں جہانگیر اپنے مخالف ابو الفضل کو، نہایت چالاکی اور دیدہ دلیری سے قتل کرا دیتا ہے اور خوف اکبر یا پاس عزت اس کو مطلق نہیں روک سکتا! اس کے بتانے کی ضرورت نہیں کہ علامی ابو الفضل کس پایہ، اثر، اور مرتبہ کا شخص تھا؟ اکبر کسقدر اُس کی مُٹھی میں تھا؟ اور وہ برہانپور سے کسقدر لشکر کے ساتھ واپس آرہا تھا؟ ظاہر ہی کہ ابو الفضل کے قتل سے جسقدر عتاب اکبری، کشت و خون، اور عام بدنامی کا اندیشہ ہو سکتا، بجا تھا۔ لیکن ابو الفضل کے قتل سے۔ باایں ہمہ۔ کوئی خوف یا خیال، جہانگیر کو نہ روک سکا اور علی قلی کے خاتمہ کے لیئے جس کی لاش پر چار آنسو بہانے والے شاید کرایہ پر بھی میسر نہ آتے۔

عتاب اکبر کا احتمال مانع ہوا! اس کے جواب میں ایک بحث یہ پیدا کی جا سکتی ہے کہ ابو الفضل کا قتل امور مملکت سے تعلق رکھتا تھا اور ایک پولیٹیکل چیز تھی، برخلاف اس کے، علی قلی کا معاملہ

محض ذاتی رقابت پر مبنی تھا: گویا اگر علی قلی قتل کرا دیا جاتا تو جہانگیر
نسبتاً بد طینت اور رکیک الخیال سمجھا جاتا، اور اسی بدنامی کی وجہ سے
وہ ایسی جرارت نہ کر سکا! لیکن واقعات اس کج بحثی کے بھی
خلاف ہیں: اُسی زمانہ میں جہانگیر[1] کا منظورِ نظر امرد ایک واقعہ نگار
کے ساتھ دکن کی طرف بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور جہانگیر ان کو پکڑوا کر
دونوں کی کھال اپنے سامنے۔ بر سرِ دربار۔ کھچوا لیتا ہے اور بدنامی
و انگشت نمائی کا خیال اُسے مطلق پیدا نہیں ہوتا! اب عقل کام
نہیں کرتی کہ ایسے زمانہ میں۔ جہانگیر جیسے مزاج کا شخص۔ اکبر کے
مقابلہ پر آستینیں چڑھا لیتا ہے، علامی ابو الفضل کو چشم زدن
میں قتل کرا دیتا ہے، اپنے امرد کی اور اس کو لے بھاگنے والے کی
کھال کھنچوا لیتا ہے؛ اور ان تمام باتوں میں کوئی خوف، خیال، یا
وسواس اُس کو اپنے ارادہ اور آتشِ انتقام کی شعلہ فشانی سے
باز نہیں رکھ سکتا۔ لیکن تعجب اور سخت تعجب ہے کہ اُسی زمانہ میں
وہ علی قلی استاجلو کی بغل میں اپنی محبوبہ کو پاتا ہے، آتشِ رقابت
سے سلگتا رہتا ہے اور دم نہیں مارتا، اُف نہیں کرتا! علی قلی سے

نمبر ۱- کل واقعات منتخب اللباب خافی خاں میں بالتفصیل ملاحظہ ہوں۔ جلد اول
صفحہ ۲۱۵ تا ۲۳۰!

نظر بگارڑ نا تو کجا، اُس کو جاگیر معقول عطا کرتا ہے اور شیر افگن خاں کا خطاب عطا کرتا ہے! فی الحقیقت۔ ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو۔ صاف معلوم ہوگا کہ جہانگیر کے دل میں کوئی رقابت کا خیال اس وقت نہ تھا، اور نہ مہر النساء کی محبت اُس وقت موجود تھی، ورنہ علی قلی کا خاتمہ نہایت خاموشی اور بدرجہا آسانی کے ساتھ، کرا دیا جاتا اور مہر النساء کو اپنے قبضہ میں کر لیا جاتا! جہانگیر کو جو محبت مہر النسا سے پیدا ہوئی تھی، وہ علی قلی کی شادی کے ساتھ، آغاز ہی میں ختم ہو چکی تھی اور اُس کا کوئی ایسا گہرا نقش جس سے رقابت پیدا ہوتی جہانگیر کے دل میں مطلق نہ تھا!

اس محبتِ پوشیدہ سے کنارہ کر کے علی قلی کی روشِ ملاحظہ ہو! جہانگیر کی خدمت میں ہونے، اور جہانگیر سے ہی خطاب و جاگیر پانے پر بھی پہلی ہی مرتبہ اُس نے نمک حرامی اور دغا بازی کا اظہار کیا! جہانگیر کو دغا دیکر۔ رکابی مذہب امراء کی طرح۔ اکبر سے جا ملا اور حقِ نمک کا یا استقلال و پامردی کا، احساس اُسے بالکل نہیں ہوا! نور جہاں کو رشکِ شیریں و لیلےٰ بنانے والے افسانہ نگار اسپر بھی یہ فرمائیں کہ جہانگیر علی قلی سے رقابت کی وجہ سے جلتا تھا تو واقعہ کے کسقدر خلاف ہوگا؟ ولیعہدی کے زمانہ میں

جہانگیر نے۔ کسی نہ سمجھ میں آنے والی وجہ سے مجبور ہو کر۔ علی قلی کو ہاتھ نہیں لگایا تو آگے چل کر جب وہ تختِ ہندوستان پر جلوہ افروز ہوا، اور تمام سلطنت خود مختار کے سیاہ و سفید کا بلا شرکتِ غیرے مالک و قابض ہوا، تو کونسا خیال اُس کو روک سکا اور باز رکھ سکا ؟ شیر افگن پہلے سے ہی دغا دیکر اور ساتھ چھوڑ کر جہانگیر کی نظر میں باغی و مجرم قرار پا چکا تھا۔ ایسی صورت میں کسی حیلہ ڈھونڈھنے کی بھی حاجت نہ تھی۔ اگر جہانگیر کو کچھ بھی رقابت کا خیال ستاتا ہوتا تو شیر افگن دغا و بغاوت کے الزام میں آسانی سے نیست و نابود کر دیا جاتا اور عشق و محبت کا بظاہر نام بھی نہ آتا ! لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ جہانگیر نے اپنے مخالفین کی پوری تعداد کو۔ جنھوں نے خسرو کا ساتھ دیا تھا چُن چُن کر پھانسی پر لٹکایا، مگر شیر افگن کے اگلے پچھلے قصور اب بھی معاف کیئے اور بردوان کی حکومت عطا فرما کر عزت و طاقت میں اضافہ کیا ! یہ واقعہ آتشِ رقابت کی مَن گھڑت پر اور پانی پھیرے دیتا ہے !

بردوان کی حکومت پاتے ہی شیر افگن ظلم و جور شروع کر دیتا ہے، شکایات دو برس تک متواتر جہانگیر کے گوشِ زد ہوتی رہتی ہیں، اور آخر جہانگیر کو اُس کے انسداد کے لیئے متوجہ ہونا پڑتا ہے ! قطب الدین خاں

اُسی زمانہ میں بنگالہ کے وائسرائے مقرر ہوتے ہیں اور اُن کو حکم دیا جاتا ہے کہ شیر افگن کو راہ راست پر پائیں تو تعرض نہ کریں ورنہ بارگاہِ عالی کو روانہ کردیں! اس حکم کو خدا جانے کن الفاظ میں اور کس حاشیہ کے ساتھ، شیر افگن کا وکیل ان کو لکھ مارتا ہے! شیر افگن اپنے وکیل کی تحریر پر ایمان لا کر ایسے چراغ پا ہوتے ہیں کہ شاہی ملازمت کو شاہی واقعہ نگار کے منہ پر کھینچ مارتے ہیں اور "الٹی میٹم" دیدیتے ہیں کہ "میں آج سے شاہی ملازم نہیں ہوں" ترکِ ملازمت کا اعلان زبان سے تو فرما دیتے ہیں لیکن عملی طور پر بردوان کی حکومت کا لقمۂ تر برابر نگلتے رہتے ہیں! قطب الدین خاں بنگالہ پہنچ کر آپ کو لکھتے ہیں تو آپ نہیں سنتے، بلاتے ہیں تو آپ نہیں آتے، اور اچھے خاصے بردوان کے خدائی فوجدار بنجاتے ہیں! مجبور ہو کر قطب الدین خاں آپ کی جاگیر میں خود حاضر ہوتے ہیں اور پیغامِ ملاقات بھیجتے ہیں! ملاقات کو جاتے ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ رخصت کے وقت فرماتی ہیں کہ "بو تمؒ پیش از آں کہ مادر تو گریہ کند، مادرِ او را بہ گریہ آر!" قتل کا حکم نہ تھا، پھانسی

تمغۂ ماخذ مآثر الامرائے تیموری، جلد دوم، صفحہ ۶۲۲!

کا فرمان نہ تھا، پھر ایسے ارادے کے کیا معنی ؟

بہرحال، یہ خیال لئے ہوئے آپ ملنے جاتے ہیں تو بکتر و نیچہ، نیمہ آستین میں چھپا کر جاتے ہیں! ملاقات کے وقت قطب الدین خاں کو باتوں میں لگا کر ہمراہیان سے دور لیجاتے ہیں، لیجاتے ہیں اور موقعہ پاکر وہ نیچہ۔ جس کو آپ نہایت شجاعت کے ساتھ نیمہ آستین میں چھپا کر لائے تھے۔ قطب الدین خاں کے پیٹ پر مارتے ہیں! اس کے ساتھ ہی ہمراہیانِ قطب الدین خاں آپ پر آگرتے ہیں اور آپ کا خاتمہ ہو جاتا ہے! یہ ہیں وہ واقعات جن کی بدولت جہانگیر مجرم اور قطب الدین خاں جاں نثارِ مجرم کہے جاتے ہیں!

اسی واقعہ کے بدولت مہرالنساء خانم بیوہ ہو کر دلی پہنچتی ہیں، اور عرصہ تک معتوب رہ کر جہانگیر کی محبتِ زائل شدہ کو رومال کاڑھ کاڑھ کر۔ یادِ ماضی کو تازہ کرتے ہوئے۔ از سرِ نو زندہ کر لیتی ہیں اور نور محل بلکہ نور جہاں بیگم بنجاتی ہیں! مورخین اسی وجہ سے درمیانی مدت میں بھی جہانگیر کو مبتلائے عشقِ نورجہاں فرض کر لیتے ہیں اور شیر افگن کے قتل کو بھی اسی عینک سے دیکھ لیتے ہیں! سچ یہ ہے کہ اُس دورِ شخصی میں کوئی اور سردار ہوتا، اور شیر افگن کی طرح شورش پر کمر باندھتا تو اُس کا حشر بھی وہی ہوتا جو شیر افگن کا ہوا! سینکڑوں دل

امرا و سردار بغاوت و شورش کے جرم میں قتل کردئیے گئے اور کردئیے جاتے تھے حالانکہ اُن سے اور شاہ وقت سے کسی رقابت و محبت کا تعلق نہ ہوتا تھا! شیر افگن چونکہ نورجہاں کا شوہر تھا اور نورجہاں اس کے قتل کے بعد نورجہاں بنی اس لئے شیر افگن کے قتل کو۔ جو محض اُس کی اپنی حرکات کا نتیجہ تھا۔ مورخینِ نافہم نے اُسی محبت کے سانچہ میں ڈھال دیا! واقعات بتاتے ہیں کہ جہانگیر کو شیر افگن سے کبھی رقابت نہ تھی، نہ ہوئی! جہانگیر ہی نے اس کو علی قلی استاجلو سفرچی سے شیر افگن خاں بنایا: جہانگیر ہی نے اس کو بردوان کی حکومت کی عزت بخشی: اور جہانگیر ہی کے ساتھ ہمیشہ۔ ولیعہدی کے عالم میں بھی اور بادشاہت کے زمانہ میں بھی۔ شیر افگن دغا، نمک حرامی اور شورش کا اظہار کرتا رہا! آخر وقت میں بھی قطب الدین خاں اُسے سمجھا کر بارگاہِ عالی میں روانہ کرنے گئے تھے نہ کہ قتل کرنے: اُس کی پیشدستی خود اُس کے قتل کا باعث ہوئی اور اول سے آخر تک یہ قتل کسی طرح جہانگیر کی محبت سے متعلق نظر نہیں آتا!

خیر! قطب الدین خاں۔ شیخ خوبو۔ پر کسی طرح کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا! اس سے کسی کو انحراف نہیں ہوسکتا کہ قطب الدین خاں

اپنے ولی نعمت شاہنشاہ۔ یا اپنے عزیز بھائی رہ کے حکم کی تعمیل میں آخر دم تک سچے، مستقل مزاج، اور جاں نثار ثابت ہوئے!

یہ نامور جاں نثار۔ وائسرائے بنگالہ۔ ۳۔ صفر ۱۰۱۶ھ کو اس دار ناپائدار سے سدھارے، اور اُن کے پس ماندگان نے اُن کی دیکھنے کی بجائے۔ واپس آنے والے کشورخاں سے۔ ان کے وفات کی خبر سُنی! اناللہ وانا الیہ راجعون!!

شیخ فرید کم وبیش آٹھ سال کے تھے کہ یتیم ہوگئے: اس خبر سے پژمردہ ہوجانے کے قابل سمجھ اُن میں ضرور تھی، مگر مستقل اندیشی سے ابھی وہ ناواقف تھے! قسمتِ ہمہ داں، خاموشی کے عالم میں اُن کے پاس نما چہرہ کو دیکھتی اور کہتی:۔

"صبر کر! اے ناسمجھ معصوم صبر کر! مجھے اُس راستہ کی بنیاد ڈالنی ہے جس پر ہوش سنبھال کر تجھے قدم زن ہونا، اور یتیم سے دُرِّ یتیم بننا ہے!"

نمبر ۱۸۔ توزک جہانگیری سال دوم جلوس۔ ذکر قتل قطب الدین خاں: نیز۔ مآثر الامرائے تیموری۔ جلد سوم صفحہ ۶۶!

(۴)
نشوونما

عدم سے وجود میں آنے والا ہر بچّہ، نہ خاص عادات اپنے ساتھ لاتا ہے، نہ خاص زبان! حیوانیت کا مکمل و بہترین نمونہ ہوتا ہے، اور بس! اس کے بعد جو کچھ پیدا ہوتا ہے یا پیدا کیا جاتا ہے، وہ محض حالتِ گردوپیش کا اثر یا انسانِ نگراں کی کوشش کا نتیجہ ہے! پیدایش سے شباب تک کا زمانہ مختلف دماغی وجسمانی قوتوں کے وجود میں آنے اور مکمّل ہونے کے باقاعدہ حصّول پر منقسم ہے! ہر قوّت وطاقت ایک خاص عمر میں پیدا ہوتی ہے اور ایک خاص عمر تک اس کی ترقی وتکمیل منحصر ہے: اسی زمانہ میں اگر عمدہ اصولوں پر بچّہ کی پیدا ہونے والی طاقتوں کو سُدھارا جائے تو ان کی اصلاح اور حسب مرضی تکمیل ممکن ہے، ورنہ آگے چلکر کوئی تبدیلی یا اضافہ قریب قریب ناممکن سمجھا جاتا ہے! یہ ہی بیش بہا زمانہ کُل زندگی کی بنیاد اور مدت العمر کی عادات کا ذمہ وار مانا جاتا ہے! اسی وجہ سے دنیا نے ہمیشہ اسی زمانے کو تربیت وتعلیم کے

لیئے مخصوص رکھا!

تعلیم و تربیت ہر زمانہ کی تہذیب و طرز معاشرت کی پابند رہی ہے! جس زمانہ کو شیخ فرید کی تعلیم و تربیت سے تعلق ہے، یہ وہ زمانہ تھا جس میں تعلیم نوشت و خواند اور تعلیم اطوار و افعال جداگانہ مکتبوں اور علیحدہ علیحدہ اوقات میں نہیں دی جاتی تھی۔ اُس زمانہ کا اُستاد یا اتالیق تعلیم تحریر و تقریر کے ساتھ ہی تعلیم علوم و فنون مروجہ کا بھی ذمہ دار ہوتا تھا! اتالیق زمانۂ حال کے ٹیوٹوریل سسٹم کا نقش اوّلین۔ بلکہ مثالِ عمدہ۔ سمجھا جا سکتا ہے! اُس زمانہ کے اُستاد یا اتالیق کا نام معلوم ہو جانے سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ تعلیم و تربیت کس مذاق اور کس پایہ کی ہوئی ہو گی؟ آٹھ برس کی عمر تک شیخ فرید کو جو کچھ تعلیم دی گئی وہ زمانہ قدیم کی حد تھی۔ مکتب والی تعلیم تھی جو وہ اپنے وطن بدایوں میں حاصل کرتے رہے! فی الحقیقت اس زمانہ میں آٹھ برس کی عمر تک مذہبی ابتدائی تعلیم اور نشست و برخاست کے آداب سے زیادہ اور کسی خاص مذاق تعلیم کی بنیاد نہیں ڈالی جاتی تھی: قطب الدین خاں کے قتل کے وقت تک شیخ فرید کی تعلیم محض ابتدائی اور چاشنیٔ علوم و فنون سے خالی تھی۔ اس لئے اُس کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی!

البتہ یتیم ہوتے ہی تعلیم و تربیت میں ایک غیر معمولی اور قابلِ لحاظ انقلاب پیدا ہو گیا! نواب مرحوم کے دو صغیر سن لڑکے۔ شیخ فتح الدین اور شیخ فرید الدین۔ جو یتیم ہو گئے تھے توجہ و عنایات شاہی کے مورد ہوئے: جہانگیر[1] کا بیان ہے کہ قطب الدین خاں کے قتل سے اس کو۔ اکبرِ عرش آشیانی کے انتقال اور بی بی خدیجہ کی وفات کے بعد۔ تیسری مرتبہ قلبی صدمہ ہوا تھا، ایسی صورت میں مرحوم کی اولاد پر جسقدر توجہ شاہانہ مبذول ہوئی ہو تعجب خیز نہیں!

اس سانحہ کے بعد ہی شیخ فتح الدین و شیخ فرید دونوں قلعۂ شاہی میں بلا لیے گئے اور محلات شاہی میں ان کی تربیت و تعلیم کا زمانہ گذرا! ۱۰۱۶ھ سے ۱۰۲۰ھ[2] تک۔ قریب قریب پانچ سال تک۔ فتح الدین و فرید دونوں محلات میں اساتذۂ شاہی کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے رہے، اور ان کے بڑے بھائی شیخ ابراہیم کشور خاں مشغول خدماتِ سلطنت رہے! اس پانچ سال کے عرصہ کی تعلیم کا بھی مفصل حال نہیں ملتا اور نہیں بتایا جا سکتا

نمبر۱۔ ملاحظہ ہو تو زک جہانگیری۔ سال دوم جلوس۔ ذکر قتل قطب الدین خاں!
نمبر۲۔ خاندانی قلمی تواریخ میں اس زمانہ کا حال مفصل درج ہے!

کہ شیخ فرید کے اُستاد اس زمانہ کے اساتذۂ شاہی میں سے کون بزرگ تھے؟ نہایت مجمل طور پر صرف اسقدر پتہ چلتا ہے کہ شیخ فرید اسی عرصہ میں قلعہ کے اندر عنایات شاہی کی بدولت شاہی مکتب میں تحصیلِ علومِ مروّجہ میں مشغول رہے! ۱۰۱۲ھ سے تعلیم و تعلّم کے رنگ میں ایک اور انقلاب ہوا اور سچ یہ ہے کہ یہ آخری انقلاب ہی وہ چیز تھا جس نے شیخ فرید کو رموزِ مملکت اور رنگِ خدماتِ تاج و تخت سے پوری طور پر واقف کر دیا! اس انقلاب کے بیان کرنے سے پیشتر اس کی مجمل و مختصر وجہ ظاہر کر دینی دلچسپی سے خالی - اور اصل مطلب سے غیر متعلق - نہ ہوگی! مہر النسا خانم کو خدا جانے کس قدر افسوس اور حیرت ہوئی ہوگی جب بردوان سے واپس آتے ہی معتوب ہو کر، وہ سلیمہ بیگم کی لونڈی بنادی گئیں اور محض نواب قطب الدین خاں کے دعوائے خون کے عوض میں چار پانچ سال معتوبِ شاہی رہیں! ۱۰۲۰ھ میں خدا خدا کرکے وہ نورمحل بنیں اور رفتہ رفتہ نور جہاں کا لقب حاصل کرکے سکّہ پر ہی نہیں، بلکہ عملی طور پر - پسِ پردہ - تمام سلطنت پر سکّہ جما بیٹھیں! اس کے بعد سے ہر حکم میں اکثر نور جہاں کی زبان جہانگیر کے مُنہ میں بولتی نظر آتی تھی! پانچ سال کے عرصہ میں شیخ فرید کے بڑے

بھائی کشور[۳] خاں قلعہ رہتاس کے عامل اور مختلف عنایات شاہی کے مورد بن چکے تھے: سالِ پنجم جلوس جہانگیری[۴] میں انکا منصب اضافہ ہوکر "دوہزاری ذات وسوار" قرار پایا تھا، طویلۂ خاص کا عراقی گھوڑا، خلعتِ خاص، اور فیل خاصہ۔ بخت حبیب نامی۔ عنایت ہوا تھا اور ملک اوچھ کے سرکشوں کی تنبیہ کے لئے نامزد ہوئے تھے! ان کے ساتھ ہی علاء الدین اسلام خاں۔ جو شیخ فرید کے چچا تھے۔ "پنج ہزاری[۵]" منصب کے ساتھ گورنر بنگالہ مقرر ہوئے تھے اور اس درجہ تک ترقی کرگئے کہ حکّام وجھروکہ کی رسوم۔ جو محض بادشاہوں کے لئے مخصوص تھیں۔ ادا کرنے لگے تھے!

اسلام خاں اس خاندان میں اُس وقت سب سے زیادہ سرآوردہ تھے اور انھوں نے شیخ زادوں کا ایک بڑا لشکر جس کی جمعیت[۶] بیس ہزار کی تھی۔ مرتب کیا تھا! نور جہاں یہ بھی جانتی تھی کہ جہانگیر کے دل میں قطب الدین خاں کی محبت اور دماغ میں حضرت سلیم

نمبر۳۔ توزک جہانگیری۔ سال سوم جلوس! نمبر۴۔ سالِ پنجم جلوس توزک جہانگیری!
نمبر۵۔ نواب قطب الدین خاں کے انتقال سال اول جہانگیر قلی خاں۔ جس کا نام لالہ بیگ یا لعل بیگ تھا۔ گورنر بنگالہ مقرر ہوا اور اس کے انتقال پر اسلام خاں کو یہ عزت ملی! (ملاحظہ ہو جہانگیر نامہ صفحہ ۲۵ و ۴۳ و ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۱۱۸)
نمبر۶۔ ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۱۱۸!

چشتی کا اقتدار برابر باقی تھا، اور یہ بھی دیکھتی تھی کہ اس خاندان
کی طاقت وعزت کھلم کھلا مقابلہ سے پامال نہیں کیجا سکتی اس لیئے
اس نے یہ فطرت چلی کہ اسلام خاں کو ان کی پوری طاقت کے
ساتھ بنگالہ کے مشہور خودسر، عثمان خاں افغان کے مقابلہ کے لیئے
تعینات کیا! یہ وہ عثمان خاں تھا جو اکبر کے زمانہ میں راجہ مان سنگھ
کی متواتر لشکرکشی پر بھی رام نہ ہو سکا تھا اور راجہ کو ہر مرتبہ بے نیل و
مرام ہی واپس آنا پڑا تھا! اسلام خاں حکم شاہی کی تعمیل میں اپنی
پوری طاقت کے ساتھ عثمان خاں کے مقابلہ کو گئے؛ شیخ زادوں
کے لشکر نے پٹھانوں کے مقابلہ میں جیسی شجاعت بے مثل اور
جاں بازی بے نظیر کا اظہار کیا اُس کی داستان رستم و اسفندیار

نمبر۔ بنگالہ کا ملک اقلیم دوم کا ملک تھا، چاٹ گام سے کرہی تک اُس کا طول،
اور کوہستانِ شمالی سے سرکار بداون تک اس کا عرض، تھا! زمانہ سابق میں
وہاں کے حکام بیس ہزار سوار، ایک لاکھ پیدل، ایک ہزار ہاتھی، چار پانچ ہزار
کشتیاں، اور معقول توپ خانہ و آلات حرب رکھتے تھے! شیرخاں و سلیم خاں
کے زمانہ سے یہ ملک پٹھانوں کے تصرف میں چلا آتا تھا۔ اکبر کے زمانہ
میں اکثر حصہ فتح ہو گیا تھا لیکن عمان خاں پٹھان جو سب سے ریادہ طاقتور
اور سرکش تھا زیر نہ ہو سکا تھا۔
(ملاحظہ ہو جہانگیرنامہ صفحہ ۵۹)!

کے فرضی قصوں پر پانی پھیر دیتی ہے: تو زک جہانگیری، جہانگیرنامہ، ماثر الامرائے تیموری، قریب قریب تمام مستند تواریخ اس معرکہ کی مفصل کیفیت اور شیخ زادوں کی بے مثال شجاعت و جوانمردی کے واقعات سے لبریز ہیں! کشور خاں اور شیخ کبیر جو اب شجاعت خاں بن چکے ۔ اسلام خاں کی کمک پر متعین ہوئے تھے اور شریک پیکار رہے تھے: شجاعت خاں کی ذاتی دلیری نے ان کا نام ہمیشہ کے لئے "رستم زماں خاں" کے خطاب سے صفحۂ روزگار پر لکھ دیا اور میدان آخر کار اسلام خاں کے ہاتھ رہا! عثمان خاں قتل ہوا، بنگالہ کی فتح مکمل ہوئی؛ لیکن شیخ زادوں کی بہت بڑی جماعت تخت و تاج کے لئے فدا ہو گئی! شیخ فرید کے بڑے بھائی شیخ[۸] ابراہیم کشور خاں جو سردار جرانغار ہونے کی وجہ سے یمین کی فوج میں تھے آخر وقت تک بہادری کے ساتھ سینہ سپر رہ کر، شہید ہوئے! اسلام خاں کو شش ہزاری کا منصب اعلیٰ عنایت ہوا اور تمام خاندان پر عنایت خسروانہ مبذول ہوئی، لیکن اس وقت تک نور جہاں کی چالاکی کا گمان کسی کے دل میں

نمبر ۸ ۔ ملاحظہ ہو Elliot's History of India Vol VI PP 328.

پیدا نہیں ہوا! اسی سال میں جب شیخ فتح الدین کا دفعتاً انتقال ہوا! اور مرگِ مفاجات کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ ان کو محلِ شاہی میں زہر دیا گیا تو بیشک نورجہاں کی چال کم از کم اس خاندان کو نظر آنے لگی!

تعجب ہے کہ نورجہاں نے کشور خاں کو اُدھر ختم کرا دیا اور فتح الدین کو اِدھر مار ڈالا، لیکن فرید کو کیوں چھوڑ دیا اور یہ کس طرح بچ گئے! جو کچھ بھی ہو ایسے واقعات جن میں "ہر فرعونے را موسےٰ" والی ہستی، عجیب حیرت انگیز طریقہ سے بچ جاتی ہو، کم نہیں ہیں! شیخ فرید کے خاندان نے جہانگیر کے کان تک اس شکایت کو پہنچایا ہو یا نہ پہنچایا ہو، اُن کی واپسی کی درخواست ضرور کی ہوگی! افسوس ہے کہ ان واقعات پر پردہ پڑا ہوا نظر آتا ہے ورنہ معلوم ہو جاتا کہ اس درخواست پر کیا حکم ہوا اور کیوں ہوا؟ بہرحال جہانگیر نے شیخ فرید کو وطن واپس جانے کی تو اجازت نہیں دی البتہ محلّات شاہی اور نورجہاں بیگم کے اثر سے نکال کر اعتماد خاں۔ نورجہاں کے بھائی۔ کے زیرِ نگرانی رہنے کا حکم دیا!

نمبر۹۔ زہر دیئے جانے کا حال خاندانی قلمی تواریخ میں درج ہے!
نمبر۱۰۔ ماخوذ از تواریخ قلمی خاندانی!

گویا اس طرح اور ان وجوہات پر ۱۶۱۲ء سے وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جبکہ فرید ۱۳ سال کی عمر میں۔ اعتماد خاں کی اتالیقی میں دیدیئے گئے!

۱۶۱۲ء سے ۱۶۲۰ء تک۔ کم و بیش آٹھ سال شیخ فرید اعتماد خاں نورجہاں کے حقیقی بھائی۔ کی نگرانی و اتالیقی میں اُس زمانہ کے علوم و فنونِ مروجہ کی تحصیل میں منہمک رہے! ۱۳ برس کی عمر سے ۲۰ سال کی عمر تک کا زمانہ ہی رجحانِ طبع، مذاقِ علوم، اور مہارتِ فنون کے لئے بہترین زمانہ تھا اور یہ ہی حصۂ عمر اعتماد خاں جیسے بے بدل مدبر اور بے نظیر وزیر کی صحبت و نگرانی میں گذرا۔ اس کے علاوہ زمانۂ زیرِ بحث ایسا معنی خیز اور سبق معمور زمانہ تھا جس میں تخت ہندوستان کی تقدیرِ مستقبل کی بنیاد بڑی چالاکی اور خوش اسلوبی کے ساتھ قلعہ کے حدود کے اندر ڈالی جا رہی تھی! اسی زمانہ میں شاہزادہ خرم نے اعتماد الدولہ کی لڑکی سے۔ آگے چل کر ممتاز محل اور تاج محل بننے والی تھی۔ شادی کر لی تھی اور اس طرح اعتماد خاں کو ہمیشہ کے لئے، اور نورجہاں کو شروع میں اپنا بنا لیا تھا: اسی زمانہ میں سر ٹامس رو۔ جیمز شاہ انگلستان کے سفیر۔ دربارِ جہانگیری میں تشریف لائے تھے اور معاہدہ کی

دقیق شرائط کا مسودہ بنا کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے۔ نہایت بیدار مغزی اور چالاکی کے ساتھ مستقبل خوشگوار کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے: اسی زمانہ میں اعتماد خاں کو اپنی ملکی خدمات اور مدبرانہ حکمت عملی کے بدولت آصف خاں کا خطاب ملا تھا! ایسے سبق دہ زمانہ میں قلعہ شاہی کی سکونت، سلطنت کی مشین کو چلانے والی اسٹیم کا مشاہدہ؛ ملک گیری و ملک داری کی شطرنج اور اُس کی دقیق چالوں کا معائنہ؛ اور یہ سب کچھ آصف خاں جیسے بیدار مغز مدبّر کی اتالیقی میں، سمجھا جا سکتا ہے کہ اس صحبت، اس زمانہ، اس نگرانی، اور اُس حالت نے شیخ فرید میں کیسی ٹھوس لیاقت اور مذاق سلیم پیدا کر دیا ہوگا اور ملکی معاملات کے سمجھنے، اور حکومت کی مشین کے چلانے، کو وہ کس درجہ سمجھ گئے ہونگے! شیخ فرید کی عمر کا وہ بیش بہا حصہ، جس میں انسان کی جسمانی و دماغی طاقتوں کا ایک صورتِ مستقل قبول کر لینا اور تکمیل کو پہنچ جانا ناگزیر ہے، ایسی صحبتِ اعلیٰ اور تربیتِ بے نظیر میں گذرا کہ عام طور پر اُس زمانہ میں ایسے گرد و پیش کا جمع ہو جانا محال تھا! اسی زمانہ کی تعلیم و تربیت نے اُن کی طبیعت میں بلند پروازی اور معاملہ فہمی کی قابلیت نہایت خوبی کے ساتھ پیدا کر دی! اسی زمانہ کی نشو و نما کا پہلا کرشمہ

یہ تھا کہ انھوں نے آصف خاں کی دوسری لڑکی۔ تاج محل کی بہن شاہ[۱۱] پرور خانم سے شادی کرلی!

نواب قطب الدین خاں کا تعمیلِ حکمِ شاہی میں کام آنا، یتیم ہوکر شیخ فرید کا محلات شاہی میں بلالیا جانا، نورجہاں کی چالاکی کے بدولت ”عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد“ کے مصداق آصف خاں کی اتالیقی میں ہوش سنبھالنا، اور آخر میں آصف خاں کا داماد اور شاہزادہ خرّم کا ہم زلف بنجانا، یہ تمام امور قسمت کے کرشمے تھے جو فی الحقیقت مستقبلِ کامیاب کی بنیاد۔ رفتہ رفتہ، اور آہستہ آہستہ رکھتی جارہے تھے۔

نمبر ۱۱۔ بعض نسخوں میں یہ نام شاہ پرویز خانم درج ہے! آصف خاں کی اتالیقی اور شیخ فرید کی شادی کا حال قلمی تواریخ سے ماخوذ ہے جو خاندان شیخوپورکے قبضہ میں ہیں اور غیر مطبوعہ ہیں!

(۱)
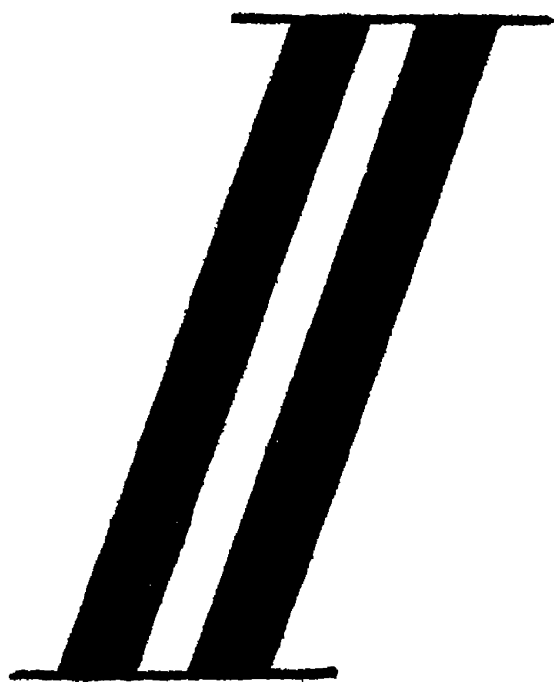
دورِ جہانگیری کی خدمات

دورِ جہانگیری کا بہت بڑا حصّہ شیخ فرید کی تعلیم حاصل کرنے اور نشو و نما پانے میں گذر چکا تھا! اور نواب قطب الدین خاں کے انتقال کے بعد سے سرکار ۔ بدایوں کی نظامت برابر خالی تھی! کیونکہ کسی تاریخ میں قطب الدین خاں مرحوم کی نظامت سرکار بدایوں کے بعد سے نواب فرید کے زمانۂ خدمت تک، کسی اور شخص کا ناظم بدایوں مقرر ہونا نہیں پایا جاتا! شیخ فرید سنہ ۱۰۲۸ھ سے سنہ ۱۰۳۰ھ تک ۔ قریب قریب دو سال تحصیل علوم فنون کے بعد چھوٹی چھوٹی خدمات میں حصّہ لیتے رہے، اور آصف خاں کی نگاہ کے سامنے تجربہ حاصل کرتے رہے ہونگے! ان خدمات کا علیحدہ طور پر ذکر کسی مورخ نے نہیں کیا ہے مگر عقل سلیم قلمی تواریخ کی تحریر کو ضرور صحیح سمجھے گی جب اُس کو معلوم ہوگا کہ ۲۲ سال کی عمر میں شیخ فرید سرکار بدایوں کے ناظم مقرر ہوئے!

آصف خاں کے اثر کی وجہ سمجھی

نظامتِ بدایوں

جائے یا خود نواب قطب الدین خاں مرحوم کی جاں نثاری کے سبب سے۔ جو کچھ بھی ہو۔ سنہ ۱۰۳۱ھ میں شیخ فرید سرکار بدایوں کے ناظم مقرر ہوئے!

یہ سمجھ لینا کہ شیخ فرید یک لخت سرکار بدایوں کے ناظم مقرر کر دئے گئے ہونگے، عقل کے خلاف نظر آتا ہے۔ سرکار بدایوں اُس زمانہ میں صوبۂ دہلی کی ایک سرکار تھی اور اُس میں۔ بموجب آئینِ اکبری۔ ۱۳ محال تھے، جن کا بہت بڑا حصہ اب بریلی، پیلی بھیت، شاہجہان پور، اور ایٹہ کے اضلاع میں چلا گیا ہے! محالات۔ حویلی بدایوں، سہسوان، کوٹ سالباہن، سانہہ، ستاسی، گنور، مجھولا، وغیرہ کا مفصل حال گزیٹر بدایوں میں مل سکتا ہے!

بمبرا۔ شیخ فرید کا آخر دورِ جہانگیری میں ناظم بدایوں مقرر ہونا گزیٹر میں صاف طور سے درج ہے البتہ ٹھیک مدت کا حال اس میں اس میں نہیں ملا۔ اس لئے تقرر کا سنہ اور مدتِ نظامت قلمی تواریخ سے لی گئی! ملاحظہ ہو۔

Descriptive and Historical account of the N W P by H C Conebeares and Edwin T Atkinson Vol 5. PP104

مختصر یہ کہ۔ سرکار[۲] بدایوں کا رقبہ۔ صرف مزروعہ۔ نو لاکھ گیارہ ہزار
ایکڑ تھا اور مالگزاری کم و بیش تین لاکھ چونتیس ہزار تھی: ہر محال کی
حیثیت کے موافق فوج کی تعداد معیّن تھی جو اس محال کے حاکم کے
پاس رہتی تھی۔ مثلاً حویلی بدایوں کے لئے پچاس سوار اور پانچ ہزار
پیدل، سہسوان کے لئے سو سوار اور دو ہزار پیدل، کوٹ کے لئے
پچاس سوار اور پانچسو پیدل، اور ستاسی کے لئے بھی پچاس سوار
اور پانچسو پیدل مقرر تھے!

سرکارِ بدایوں ایک بڑی سرکار تھی اور اس کی نظامت کا
عہدہ ایسی معمولی چیز نہ تھا کہ کسی نو آموز کو دیدیا جاتا! شیخ فرید
نے ۱۰۲۸ھ سے دو سال تک اور خدمات میں حصہ لیکر اپنی
قابلیت کا اظہار ضرور کیا ہوگا اور اسی وجہ سے ۲۲ سال ہی کی
عمر میں ۱۰۳۰ھ میں سرکار بدایوں کی نظامت ان کو تفویض
ہوئی ہوگی!

شیخ فرید ۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۲ء سے ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۷ء تک ناظم سرکار بدایوں رہے!

نمبر ۲۔ ملاحظہ ہو District Gazetteers. U. P. Vol XV Pg. 142–144.

اس پانچ سال کے عرصہ میں کوئی فساد یا بدامنی سرکار بدایوں کے کسی محال میں پیدا نہیں ہوئی! کوئی عالمگیر قحط، مصیبت، افلاس، یا ظلم بھی اس عرصہ میں نہیں ہوا۔ گویا شیخ فرید کا زمانۂ نظامت، سرکار بدایوں کا نہایت پُرامن اور خاموش زمانہ تھا!

شیخ فرید ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۶ء میں نظامت سے سبکدوش ہوئے[۳۳] کیونکہ ۱۶۲۸ء میں صرف ایک سال سلطان علی قلی خاں ناظم بدایوں رہا! مطبوعہ کتب تواریخ شیخ فرید کی علیحدگی کے معاملہ میں قطعی ساکت ہیں البتہ قلمی تواریخ میں اس سبکدوشی کی وجہ بھی نورجہاں کی ریشہ دوانی ظاہر کی گئی ہے!

نورجہاں اولاد قطب الدین خاں سے پہلے سے ہی حسد رکھتی تھی، آگے چلکر شیخ فرید کی شادی نے اُس عناد پر اور "سونے پر سہاگہ" کا کام کیا! تخت ہندوستان نورجہاں اور آصف خاں میں اپنے اپنے داماد کے لیئے مابہ النزاع تھا! شیخ فرید بھی آصف خاں کے داماد بنکر اُسی گروہ میں شامل ہوچکے تھے اور کوئی تعجب نہیں کہ نورجہاں کی ریشہ دوانی ان کی سبکدوشی کا باعث ہوئی ہو!

نمبر ۳۳۔ ملاحظہ ہو گزیٹر بدایوں (جلد ۱۵) مندرجہ نوٹ نمبر (۲)

بنائے شیخوپور

شیخ فرید کے زمانۂ نظامت کے اختتام کے قریب ایک اور واقعہ قابل تذکرہ نظر آتا ہے۔ شیخ فرید کے مورث جب سے فاتحانہ طور پر بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے تھے، عام آبادی سے علیحدہ ایک قلعہ میں رہتے تھے! شیخ فرید اور ان کے مورثوں کے ساتھ اہل بدایوں کا رنگ اچھا نہ ہو، یا خود اپنی خاندانی خصوصیات کو قایم رکھنے کی غرض سے، بہرحال کسی نہ کسی وجہ سے شیخ فرید نے بدایوں کی عام آبادی کے ساتھ دوش بدوش رہ کر مخلوط ہو جانا پسند نہیں کیا اور ۱۰۳۰ھ میں جہانگیر سے زمین کے لئے درخواست کی! اس درخواست پر زمین عطا ہوئی اور جس فرمان کے ساتھ عطا ہوئی اس کی نقل بجنسہ حسب ذیل ہے:-

"از عرضداشت نتیجۃ الامراء العظام، سلالۃ الاماجد الفخام، شایستۂ تربیت خسروانہ، سزاوار عاطفت بادشاہانہ، شیخ فرید معلوم گشتہ کہ قلعہ بدایوں را

نمبر ۴ - اس فرمان جہانگیری کی لفظ بہ لفظ نقل قلمی کتب خاندانی سے کی گئی ہے۔ ان میں لکھا ہے کہ اصل فرمان مرہٹوں کی لوٹ مار اور قتل و غارت کے زمانہ میں تلف ہو گیا!

گذاشته جائے دیگر وطنِ خود سازد. بنا بر
ملتمس، حکمِ جہاں مطاع، آفتاب شعاع،
گردوں ارتفاع، صادر شد کہ ہر جا کہ شیخ
فرید خواہش بکند موازی چہار ہزار بیگہ زمین،
بر و معاش، بگزِ الٰہی، مزروعہ و اُفتادہ بالمناصفہ،
باسمی شیخ فرید با فرزندان، از ابتداے فصل خریف
سنہ ہذا، دراں محال مقرر باشد کہ حاصلات
آنرا، فصل بفصل و سال بسال، در وجہِ معیشتِ
خود صرف نماید. باید کہ حکّام و عمّال و جاگیرداران
و کروریانِ حال و استقبال، در استمرار و استقرار
ایں حکمِ اقدس و اعلیٰ کوشیدہ، آراضئ مذکورہ
را پیمودہ، چک بستہ، بتصرّف ایشاں وا
گزاشتہ، اصلاً و مطلقاً تغیّر و تبدّل بداں راہ
نہ دہند، و تغلب مال و اخراجات. مثلِ حلقہ و
پیشکش و جرمانہ و محصّلانہ و ضابطانہ و مہرانہ و
داروغکانہ و بیگار و شکار و دہ رانی و مقدمی و صداوی
و قانونگوی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیصِ چک و پیداوارِ

زراعت وکل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی،
مزاحمت نہ رسانند! و رشباب ہر سال فرمان
و پروانچہ مجدد وطلب ندارند واز فرمودہ درنگذرند
و عہد شناسند ۔ تحریر فی التاریخ ۲۰ ماہ فروردی
الٰہی سنہ ۱۲ جلوس مطابق سنہ ۱۰۲۵ ہجریؒ،، !!

فرمان بالا کی رو سے چار ہزار بیگہ زمین نواب فرید نے بدایوں سے
کم و بیش ۳ میل کے فاصلہ پر پسند کی اور دریائے سوتھ کے داہنے
کنارے پر، ایک برباد شدہ موضع ۔ پھلیا ۔ کی جگہ، ۲۸ درجہ اور دقیقہ
عرض البلد شمالی اور ۷۹ درجہ، دقیقہ طول البلد شرقی پر، ایک قصبہ
کی بنیاد ڈالی! اس قصبہ کا نام جہانگیر کے پیارے نام "شیخو بابا"
کے لحاظ سے ۔ جو حضرت سلیم چشتی نے رکھا تھا شیخو پور رکھا،
ایک پختہ فصیل ۔ جس کے چار گوشوں پر بارہ سنگین برج تھے ۔ تعمیر
کرائی اور اس میں دو عالیشان دروازے شمالی و جنوبی نکالے
اور اس کل زمین کو قلعہ کے نام سے موسوم کیا ۔ اس قلعہ کے اندر

نمبر ۵ ۔ شیخو پور کے قلعہ عزہ کی تعمیر کا مفصل حال قلمی تواریخ سے لیا گیا ہے جو شیخو پور
میں ۹ چند اصحاب کے قبضہ میں ہیں!

چاہات و باغات کے علاوہ ایک وسیع محلسرائے تعمیر کرائی جس کا شمالی دروازہ نہایت عالی شان اور منبّت کار تھا! مسجد کی تعمیر تو ضروری چیز تھی ہی مگر اس کے ساتھ ہی ایک پختہ اور بہت بڑا تالاب بنوایا جس کے دو منزلہ دالان کے آثار اب تک یاد ماضی کو تازہ کرتے رہے۔ اس تالاب کی وسعت کسی قدر اس سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس کا جنوبی دروازہ اسقدر اونچا تھا کہ ہاتھی معہ انباری کے گذر سکتا تھا!

تبرّکات سنہ ۱۰۳۵ھ میں نواب فرید نظامت بدایوں سے سبکدوش ہوئے، اسی سنہ میں فرمان مذکور الصدر ملا، اور غالباً اسی سنہ میں شیخوپور کی بنیاد رکھی گئی! شاہجہان کے آغاز سلطنت تک نوّاب فرید عہدہ و ملازمت شاہی سے کنارہ کش رہے: گویا سنہ ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۸ء) تک نوّاب فرید اپنے ذاتی معاملات میں مصروف و سرگرم رہے! بنائے شیخوپور کے ساتھ ہی ان کو اپنے مشہور و معروف بزرگ حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی یادگار بھی اس نئے مسکن میں قایم کرنے کا خیال پیدا ہوا! اسی خیال کی بدولت ایک زبردست فوج کے ساتھ پاک پٹن پہنچکر زیارت بابا گنجشکرؒ سے بہرہ اندوز ہوئے اور صاحب سجّادہ سے

تبرکات بابا صاحب کی نسبت گفتگو ہوئی جس کے حاصل کرنے کے مدعی نواب فرید بطور اولاد کے تھے! صاحب سجّادہ تبرکات بخوشی دینے پر رضامند نہ ہوئے، معاملہ نے طول کھینچا، اور جنگ چھڑ جانے کی نوبت آ گئی: آخر، اکابر وقت نے جمع ہو کر صلح کرائی اور تصفیہ اس شرط پر قرار پایا کہ نوّاب فرید اپنی استدعا کو بابا صاحب کی درگاہ میں پیش کریں، اگر وہاں سے اجازت مل گئی تو تبرکات اُن کو دیدئے جائیں گے! اُسی رات کو نوّاب صاحب نے عقیدہ سعادت آمیز کے ساتھ بابا صاحب کی جناب میں رجوع کی اور اسی رات کو صاحب سجادہ کو بشارت ہوئی کہ "جو تبرکات نواب صاحب چاہتے ہوں ان کو دیدئے جائیں" علی الصباح درگاہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حجرہ کا قفل خود بخود کھُل کر زمین پر آ پڑا تھا! ان قصّے قضیّوں کے بعد نوّاب فرید متعدد تبرکات لیکر واپس آئے، اور ان کو احترام اور عقیدت کے لحاظ سے اپنے محلسرائے کی سنگین چھت پر ایک حجرہ بنا کر رکھا۔ اس خیال سے رکھا کہ وہ ہر وقت ان تبرکات کے زیر سایہ رہیں! یہ ہی وہ تبرکات ہیں جو ۵ محرّم کو عرس بابا صاحبؒ کے موقع پر ہر سال اب تک نکالے جاتے ہیں اور حاضرین کو ان کی زیارت سے بہرہ اندوز کیا

جاتا ہی!

۱۰۳۵ھ سے ۱۰۳۷ھ تک شیخ فرید کسی عہدۂ ممتاز پر نظر نہیں آتے، اور قلمی تواریخ اس کی وجہ نور جہاں کی ریشہ دوانی بتاتی ہیں، تاہم ان کے منصب ''ہزار ذات و چہار صد سوار'' میں آخر وقت تک کوئی فرق نہیں آتا اور وہ جہانگیر کے دم آخر تک منصب داروں میں عزت کے ساتھ باقی رہتے ہیں!

نمبر۲۔ مآثر الامرائے تیموری صفحہ ۲ ۲ جلد اول!

(۲)
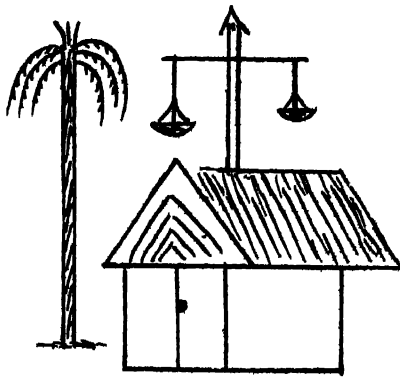
دورِ شاہجہانی کی مہمّات

شیخ فرید اول تو آصف خاں کی اتالیقی میں رہنے کی وجہ سے، اور سب سے زیادہ۔ بعد میں۔ آصف خاں کے داماد بنجانے کے باعث سے آصف خاں والے گروہ میں۔ گویا شاہجہاں کے طبقۂ اثر میں۔ تھے اور سمجھے جاتے تھے! نورجہاں تختِ ہندوستان کو جہانگیر کے بعد بھی اپنے داماد شہریار کے نام سے اپنے زیرِ قدم رکھنا چاہتی تھی: فی الحقیقت نورجہاں کو اپنی ذکاوت، طبّاعی، فطرت اور قابلیتِ کارفرمائی کے اظہار کا عملی طور پر اُسی وقت سے موقعہ ملا جب سے وہ شیر افگن کے گمنام گھر سے نکلکر جہانگیر کی آغوشِ حکومت نصیب میں آئی! اُس میں اور اُس کے بھائی آصف خاں میں اسی تخت و تاج کی بدولت چلنی چاہئے تھی اور چلی! اعتماد الدولہ غیاث بیگ کی زندگی میں ہی یہ آتشِ عناد بہن بھائیوں کے دلوں میں مشتعل ہو چکی تھی مگر اُس کا کُھلّم کُھلّا ظہور اعتماد الدولہ کے جیتے جی نہ ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ

نور جہاں کے مقابلہ میں آصف خاں کے بجائے کوئی اور ہوتا تو نتیجہ بھی شاید کچھ اور رہوتا! لیکن لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے اور ایک ہی پیٹ میں پاؤں پھیلانے والے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے!

تاج و تخت

جس وقت جہانگیر نے کشمیر سے واپس آتے ہوئے، راستہ ہی میں، سفرِ آخرت کا رُخ کیا تو صورت واقعات آصف خاں اور شاہجہاں کے لئے نہایت نازک تھی! شہریار نور جہاں کے اشارہ پر جہانگیر کو مرتا چھوڑ کر لاہور جا پہنچا تھا اور شہنشاہ ہندوستان کے انتقال کی خبر کے ساتھ ہی خزانہ شاہی پر قبضہ حاصل کر چکا تھا، شاہجہاں- کالے کوسوں - ہندوستان کے دوسرے سرے پر مہم دکن میں مصروف تھا، اور نور جہاں و آصف خاں جہانگیر کے ہمرکاب کشمیر سے واپس آرہے تھے! دارا بخش، دارا شکوہ، شجاع، اورنگ زیب، مراد، قریب قریب تمام شاہزادے نور جہاں کے چنگل میں تھے! شہریار نے فراہمی جمعیت کے لئے خزانہ شاہی کا منہ، آنکھیں بند کر کے - کھول دیا تھا اور آصف خاں نے شاہجہاں کو خبر کرنے اور اپنے حامی سرداروں کو جمع کرنے کے لئے کاغذی

گھوڑے دوڑا دئیے تھے! نوّاب فرید، شاہی نمک پروردہ ہی نہیں، شاہ جہاں کے ہمزلف بھی تھے اور آصف خاں والے گروہ میں شائستہ خاں کے بعد ان ہی کا نمبر۔ تعلقات کے لحاظ سے۔ سب سے اوپر تھا! یہ منصب دار بھی تھے، جاگیردار بھی تھے، ناظم بدایوں بھی رہ چکے تھے، اور اولاد بابا صاحب علیہ الرحمۃ پر۔ جو اکبر کے زمانہ سے خدمات تاج و تخت کے لئے میدانِ جنگ میں سرفروشی کرتی رہی تھی۔ بہت پورا اثر بھی رکھتے تھے، اس لئے ان کا اچھی جمعیت کے ساتھ امداد پر جا پہنچنا محال نہ تھا! یہ تو نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ اس تھوڑے عرصہ میں کسقدر نفوس فراہم کرسکے، تاہم اپنے مرحوم باپ کی طرح۔ جنھوں نے جہانگیر کا ساتھ شاہزادگی کے عالم میں اُس وقت دیا تھا جبکہ اکثر امرار کا بی مذہب ثابت ہو چکے تھے۔ یہ بھی شاہجہان کے لئے اس وقت کھڑے ہوئے جب لاہور کے میدان میں آصف خاں کی ایک ہزار کی جمعیت کے مقابلہ میں شہریار کی پندرہان ہزار مسلح فوج پر اجمائے تھی! بہادروں کی پامردی و جانبازی کے بدولت۔ اور آصف خاں کی بے نظیر حکمت عملی یا ڈپلومیسی کے سبب سے۔ میدان آصف خاں کے ہاتھ رہا! شہریار اور اس کی بیوی گرفتار ہوئے، نورجہاں نظربند

ہوئیں، اور تھوڑے عرصہ تک دارا بخش حکمت آمیز انتظام کے رنگ میں تخت پر جلوہ افروز رہا! شاہجہاں کے دکن سے آگرہ پہنچتے ہی، نہ دارا رہا نہ سکندر، حق حقدار کو پہنچکر شاہزادہ خرّم شاہجہاں بن گیا! ۸۔ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۸ء کو شاہجہاں شاہنشاہ ہندوستان بنا اور رجب کے مہینے میں آصف خاں کی مظفر ومنصور جمعیت۔ جو فی الحقیقت سلطنت شاہجہانی کی بانی تھی۔ لاہور سے آگرہ آکر بہرہ اندوزِ زیارتِ شاہی ہوئی۔ نواب فرید بھی اسی گروہ میں تھے، خدمت تاج وتخت میں پامردی کا اظہار کر چکے تھے، مستحقِ عنایتِ شاہی تھے، اور مظفر وکامیاب قدمبوسی کی خاطر حاضر ہوے تھے! شاہجہاں کو ان کی سچی جاں نثاری اور استقلال آمیز پامردی کا احساس تھا چنانچہ اسی کے عیوض میں ان کے مرتبہ وجاگیر میں اضافہ کیا گیا اور منصب[1] "یک ہزار و پانصدی" ذات اور "ششصد سوار" قرار پایا!

مہم تاج وتخت کے بعد سے ۵ سنہ جلوس شاہجہانی تک، شیخ فرید کا نام کسی مہم میں علحدہ طور پر نہیں ملتا، البتہ ۶ سنہ جلوس میں جب

نمبر ۱۔ ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ مولفۂ ملا عبدالحمید لاہوری۔ جلد اول دور اول۔ صفحہ ۱۸۴!

آصف خاں مہم بالا گھاٹ سے محمد عادل کو تنبیہ دیکر واپس آتا ہے
اور اس کے ہمراہی سرداروں کی عزت افزائی کیجاتی ہے تو شیخ
فرید کا منصب قدیمہ بھی[۲] دو سو سواروں کا اضافہ ہو کر "یک ہزار
و پانصدی" ذات اور "ہشت صد سوار" ۔ یعنی ڈیڑھ ہزار ذات
اور آٹھ سو سوار ۔ قرار پاتا ہے : اس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے
کہ شیخ فرید بھی مہم بالا گھاٹ میں شامل ہوئے ہوں کیونکہ یہ اضافۂ
منصب اُسی جماعت کے ساتھ ہوا تھا جو اُس مہم سے واپس آئی
تھی ! تاریخ میں شیخ فرید کی شرکتِ مہم مذکور کی نسبت کوئی ذکر
علحدہ نہیں ملتا ؛ اس لئے یقینی طور پر شرکت و عدم شرکت کا
فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ۔ جو کچھ بھی ہو شیخ فرید اس زمانہ میں مصروفِ
خدمات ضرور تھے کیونکہ ۵ سنہ جلوس شاہجہانی میں پھر ان کے
مرتبہ میں اضافہ کیا جاتا ہے اور خدمات پسندیدہ کے صلہ میں
منصبِ قدیمہ[۳] اضافہ ہو کر " دو ہزاری ذات و یک ہزار و صد
سوار" ۔ یعنی دو ہزار ذات اور بارہ سو سوار ۔ قرار پاتا ہے ! اگرچہ
تاریخ اس موقعہ پر بھی صاف صاف اُن خدمات کا تذکرہ نہیں

نمبر ۲ ۔ بادشاہ نامہ مولفۂ ملا عبد الحمید لاہوری ۔ جلد اول دورِ اول صفحہ ۴۰۷ !
نمبر ۳ ۔ بادشاہ نامہ مولفۂ ملا عبد الحمید لاہوری ۔ دورِ اول جلد اول صفحہ ۴۴۴ !

کرلی جن کے بدولت یہ اضافہ ہوا تھا، تاہم اس افزونی مراتب سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس وقت مصروف پیکار تھے!

نواحِ دہلی اس زمانہ کی چھوٹی چھوٹی مہمات میں شیخ فرید کا علیٰحدہ طور پر تذکرہ جلوس شاہجہانی کے آٹھویں سال میں ملتا ہے۔ دہلی کے گرد و نواح میں تمام دہقان آبادی نے دوچار بااثر باغیوں کے بل پر ایک شورشِ عظیم برپا کردی تھی اور امنِ عامہ کو آئے دن کی لوٹ مار سے نابود کردیا تھا! ۱۰۴۴ھ ۱۶۳۵ء میں شاہجہاں نے شاہ آباد کے پڑاو پر۔ بتاریخ ۲۔ رمضان المبارک اسلام خاں، شیخ فرید، اور دیگر سرداروں کو۔ جن کی کل جمعیت سات ہزار سوار کے قریب ہوتی۔ اس مہم پر متعین کیا اور حکم دیا کہ وہ دریائے جون۔ یعنی جمنا۔ کو عبور کرکے اس پار کے باغیوں سے مقابلہ کریں: باغی پورے جتھے اور سامان کے ساتھ مقابلہ پر نظر آتے تھے کیونکہ ٹیلوں، خندقوں، اور گھنے جنگلوں میں مستحکم استحکامات تیار تھے اور ان سب باتوں سے وہ

نمبر ۲۔ بادشاہ نامہ۔ دورِ دوم جلد اول۔ صفحہ ۱۰۷!

اپنی طاقت پر اعتماد رکھتے تھے! شیخ فرید اور دیگر سرداروں نے معمولی مقابلہ میں ہی باغیوں کو مار بھگا دیا اور سرعت کے ساتھ تعاقب کر کے ان کے تمام استحکامات کو توڑ ڈالا! شورش کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد کام آئی اور بقیۃ السیف تمام مال و اسباب چھوڑ کر جان بچا لیجانے میں کامیاب ہوئے! یہ حملہ اسقدر تیزی کے ساتھ کیا گیا تھا کہ صرف ۲۲ یا ۲۳ روز میں کل نواح دہلی مادۂ فاسد سے پاک ہو گئی! ۲۵[۵]۔ رمضان کو جب شاہجہاں دہلی سے تیسری منزل ہیں، سامی گھاٹ کے قریب، خیمہ زن تھا، اسلام خاں، شیخ فرید، اور شایستہ خاں باغیوں کا استیصال کر چکنے کے بعد، ان کے پس ماندہ سامان و مویشی کے ساتھ۔ حاضرِ بارگاہ ہوئے! ۳۔ شوال کو اکبرآباد پہنچکر خطابات و مراتب عنایت ہوتے ہیں۔ اور شیخ فرید کا منصب بھی روز افزوں ترقی سے متمتع ہوتا ہے! اب[۶] بجائے دوہزار کے " دوہزار و پانصدی ذات وہزار و پانصد سوار"۔ یعنی ڈھائی ہزار ذات اور ڈیڑھ ہزار سوار۔ کی عزت نصیب ہوتی ہے!

نمبر ۵۔ بادشاہ نامہ۔ دورِ دوم جلد اول۔ صفحہ ۷۶!

نمبر ۶۔ بادشاہ نامہ۔ دورِ دوم جلد اول۔ صفحہ ۸۵!

مُہمّ جھجّار سنگھ

سب سے پہلی مرتبہ شیخ فرید جس بڑی مہم میں شریک ہوئے وہ جھجار سنگھ کا مقابلہ تھا!

جھجار سنگھ راجہ نرسنگھ دیو کا لڑکا تھا۔ یہ نرسنگھ دیو وہی ہے[۷] جس نے جہانگیر کی شاہزادگی کے زمانہ میں اس کے اشارہ سے ابوالفضل کو بُرہان پور سے واپس آتے ہوئے راستہ میں قتل کیا تھا اور اس کے معاوضہ میں دورِ جہانگیری میں راجہ کا خطاب اور اوندچہ کا پرگنہ دربارشاہی سے پایا تھا: جھجار سنگھ شاہجہاں کے خلاف اول سے رہا مگر ۲ سنہ جلوس شاہجہانی میں اس کے تمام قصور شاہجہاں نے معاف کر دئیے تھے![۸] اس پر بھی وہ باز نہ آیا

نمبر ۷۔ ملاحظہ ہو منتخب اللباب خافی خاں۔ جلد اول صفحہ ۵۰۹!

نمبر ۸۔ جھجار سنگھ ۳ سنہ جلوس میں مہابت خان خاناں ناظم دکن کی ماتحتی میں متعین تھا۔ اُسی سال خانخاناں سے رخصت لیکر وطن گیا اور اپنی جگہ بکرماجیت عرف جگراج اپنے لڑکے کو دکن میں چھوڑ گیا! وطن پہنچتے ہی بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور پیم نراین زمیندار ولایت گڑھہ پر جا چڑھا اُس کے عزیز و اقارب کو قتل کر کے تمام مال لوٹ لیا اور اپنے لڑکے جگراج کو خفیہ طور پر اطلاع کی وہ چھپ کر بھاگ آئے۔ جب پیم نراین کا لڑکا دربارِ شاہجہانی میں فریادی ہوا تو فرمان صادر ہوا کہ وہ خیر اسی میں ہے کہ علاقہ ولایت گڑھہ پیم نراین کو واپس دے اور لوٹ مار جس کا اندازہ دس لاکھ تھا۔ (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

اور سنہ جلوس مذکور میں پھر اُس نے بغاوت پر کمر باندھی۔ اس کے
مقابلہ کے لئے شاہجہاں نے اول اول تین افواج عبداللہ خاں
فیروز جنگ، سید خان جہاں، اور خان دوراں کی سرداری
میں علیحدہ علیحدہ متعیّن کر کے تین مختلف سمتوں سے حملہ کرنے کا
حکم دیا تھا۔ مگر بعد میں اس خیال سے کہ "تینوں سردار کسی بات
پر آپس میں نہ بھڑ جائیں یا ایک دوسرے کا حکم ماننے میں تامل
نہ کرے،، اُس نے ۱۵۔ ربیع الثانی ۱۰۴۴ھ ۱۶۳۵ء کو شاہزادہ محمد اورنگزیب
کو سرِ عساکر مقرر کر کے ایک ہزار تیر انداز و برق انداز اور ایک ہزار
سوار کی جمعیت کے ساتھ مذکورہ بالا تینوں افسروں کے اوپر متعین کیا!
شاہزادہ محمد اورنگ زیب کے ساتھ جو سردار مقرر ہوئے اُن ہی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۲) بعد داخل کرے ورنہ اس کی خطا معاف نہیں کی جائے گی،، مگر جھجھار سنگھ نے
کچھ پروا نہیں کی اور اس کا لڑکا جو بالاگھاٹ پر متعین تھا چھپ کر بھاگا اور دھامونی میں
اپنے باپ سے جا ملا! جھجھار سنگھ مکر کے طور پر عرضداشت بھیجتا ہے مگر سندر کب رائے
جب اُس کے علاقہ میں پہنچتا ہے تو معاملہ دگرگوں پاتا ہے اور شاہجہاں کو اطلاع
دیتا ہے کہ جھجھار سنگھ دغا باز ہے اور ہر طرح آمادۂ فساد ہے! جھجھار سنگھ کے فساد کا علم،
ہو جانے پر شاہجہاں فیروز جنگ کو بجاندھیر کے نواح میں، خاندوراں کو چندیری میں، اور
سید خان جہاں کو بدائوں کے قریب معہ افواج متعینہ کے ٹھہرنے اور حکم شاہی کا
منتظر رہنے کے لئے روانہ کرتا ہے! (بادشاہ نامہ۔ جلد اول دور دوم صفحہ ۹۴
لغایت ۹۸)

میں شیخ[۹] فرید بھی تھے جو چند مہینے پیشتر نواح دہلی کی شورش کے استیصال سے فارغ ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ان کے سگے بھتیجے۔ یعنی شیخ ابراہیم کشور خاں کے لڑکے شیخ الہ دیا بھی تھے!

سرِعساکر[۱۰] شاہزادہ اورنگ زیب کے حکم کے موافق تینوں افواج نواح بھاندھیر میں شاہزادہ سے آملیں اور اوندچہ کی طرف بڑھنا شروع ہوا! اوندچہ سے تین کوس کے فاصلہ سے ایک گھنا جنگل شروع ہوتا تھا جس کے راستے نہایت دشوار گذار تھے! ججھار سنگھ پانچ ہزار سوار اور دس ہزار پیدل کی جمعیت کے ساتھ اوندچہ میں تھا! لشکر شاہی روزانہ جنگل کو کاٹتا اور راستوں کو ہموار کرتا ہوا پیشقدمی کرتا تھا اور ججھار سنگھ کی متعینہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں گھنے درختوں کی آڑ پکڑ کر لشکر شاہی پر تیر و تفنگ برسایا کرتی تھیں! لشکر شاہی بڑھتے بڑھتے کھمر والی پر قابض ہو گیا ججھار سنگھ دہاموتی کی طرف اور وہاں سے بھی چوڑا گڑھ کی طرف بھاگا اور قلعہ دہاموتی پر اپنے ایک

نمبر۹۔ ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ جلد اول دورِ دوم صفحہ ۹۹ و ۱۰۰!

نمبر۱۰۔ مہم ججھار سنگھ کے کل واقعات بشرح و بسط بادشاہ نامہ میں درج ہیں۔ ملاحظہ ہو جلد اول دورِ دوم صفحہ ۱۰۶ الغایت ۱۱۷۔

معتمد رتنا نامی کو مقرر کر گیا! لشکر شاہی نے دھامونی کا محاصرہ کر لیا اور آدھی رات تک نہایت جانبازی کے ساتھ لڑ کر قلعہ فتح کر لیا۔ سید خان جہاں مفتوحہ علاقہ کے نظم و نسق کے لئے چھوڑے گئے اور بقیہ سردار و افواج دشمن کے تعاقب میں سرگرم ہوئیں! زمیندار دیوگڑھ اسی زمانہ میں مر گیا اور جھجار سنگھ کو چوراگڑھ کے قلعہ و اسباب جنگ کو غارت کر کے دکن بھاگ جانے کا راستہ مل گیا! لشکر شاہی نے چوراگڑھ کے قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا اور پوری سرعت کے ساتھ فوراً تعاقب شروع کر دیا! جھجار سنگھ دو ہزار سوار و چار ہزار پیادہ کی جمعیت کے ساتھ۔ ۶۰ زرآمود ہاتھی لئے ہوئے۔ ۸ کوس گونڈی روزانہ طے کر رہا تھا اور لشکر شاہی تعاقب کی دھن میں ۱۰ کوس گونڈی روزانہ قطع کر رہا تھا۔ بعض دن سرداروں نے آدھی رات سے ہی تعاقب شروع کر دیا اور دوسرے دن غروب آفتاب تک ۲۰ کوس گونڈی طے کئے! اسی طرح سخت تعاقب کے بعد لانجی سے آگے دشمن کو جا لیا، سخت مقابلہ پیش آیا اور جھجار سنگھ

بجنسہٖ ایک کوس گونڈی دو کوس رسمی کے برابر ہوتا تھا یعنی ۸ کوس گونڈی ۱۶ کوس کے برابر سمجھنے چاہئیں! (بادشاہ نامہ)

پھر طوغ و نقارہ، چار زر آمود ہاتھی اور نو اونٹ چھوڑ کر، جان بچا لیجانے میں کامیاب ہوگیا اور گولکنڈہ کی طرف بھاگا!

سرداران جفاکش نے بغیر آرام کیئے پھر تعاقب آدھی رات سے شروع کر دیا اور صبح ہوتے ہی دشمن کو پھر جا لیا! لشکر شاہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا، دشمن کی قریب قریب کل تعداد کام آئی اور جھجار کا لڑکا درگبھان اور بکرماجیت کا لڑکا درجن سال اسیر ہوئے! جھجار و بکرماجیت پھر بھی جان بچا کر جنگل کی طرف بھاگ گئے! لشکر شاہی نے تالاب کے کنارے منزل کی ہی تھی کہ جھجار سنگھ اور بکرماجیت کی ایک جماعتِ گونڈ کے ہاتھ سے قتل ہونے کی خبر ملی!

جھجار سنگھ کے باپ نرسنگھ دیو نے گھنے جنگلوں اور دشوار گذار مقامات پر کنوئیں کھود کھود کر کثیر زر و جواہر دفن کیا تھا اور جھجار سنگھ نے اپنے زمانہ میں ان دفینوں میں اور اضافہ کیا تھا۔ اب یہ تمام جواہرات فاتحین کے ہاتھ آئے! گویا مہم جھجار سنگھ سے قریب ایک کرور روپیہ نقد خزانۂ عامرہ میں داخل ہوا اور ایک ولایت جس کا محاصل تقریباً ۵۰ لاکھ روپیہ تھا تصرف میں آئی!

شیخ اب تک کسی ایسی بڑی مہم میں شامل نہ ہوئے تھے مہم

جھجار سنگھ پہلا موقعہ تھا جس میں شیخ فرید سردارِ فوج کی حیثیت سے شریکِ مہم ہوئے!

تسخیرِ سنگمنیر

شیخ فرید مہم جھجار سنگھ سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ شاہجہاں نے اسی سال شایستہ خاں کی جمعیت میں دیگر سرداروں کے ساتھ ان کو بھی ساہو[۱۲] بھونسلا کی تادیب اور انتزاعِ قلعہ ہائے جنیر و سنگمنیر و ناسک و تربنگ کے لیے متعین کیا! شایستہ خاں آٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ، رمضان المبارک ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۶ء کو روانہ ہوا اور سرداران متعینہ کو رخصت کے وقت خلعت و انعامات علیٰ قدر مراتب عطا کیے گئے!

نمبر۱۲- ساہو بھونسلا کے ہوا خواہوں نے جلوس شاہجہانی کے نویں سال میں بہت سر اُٹھایا۔ نظام الملک خود تو قلعۂ گوالیار میں نظر بند تھا لیکن اس کے مقلد سرگرمِ بغاوت تھے۔ انھوں نے اس کے خاندان میں سے ایک لڑکے کو اس کا جانشین بنا کر نظام الملک کے لقب سے اُسے ملقب کیا اور والیِ بے نظام کے محالات کو قبضہ میں لا کر بغاوت کا علَم ملند کیا! شاہجہاں جو الئے دولتا باد (دکن) میں خیمہ زن تھا جب اس کو اس بغاوت کے استیصال کا خاص طور پر انتظام کرنا پڑا۔ ساہو کا وطنِ اصلی چاکنڈہ تھا جو ولایت احمد نگر سے متصل تھا! شاہجہاں نے خان زماں کو احمد نگر اور کوکن کی تسخیر پر متعین کیا، (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

شایستہ خاں نے آگے بڑھ کر پہلی منزل پر اللہ وردی خاں کو
تھوڑے لشکر کے ساتھ اپنی جمعیت سے علیحدہ کر کے چاندور،
اچلاگڑھ، اور چھوٹے چھوٹے قلعوں کے تصرف میں لانے کے لئے
روانہ کیا اور خود بقیہ سرداران متعینہ اور سپاہ کو لیکر ساہو کے
تعاقب میں چلا! پہلا مقابلہ پرگنہ سنگمنیر میں ساہو بھونسلا کے
لڑکے سیواجی سے ہوا۔ سیواجی نے اپنی پوری طاقت سے مقابلہ
کیا مگر سپاہ شاہی نے نہایت جاں بازی کے ساتھ سرگرم پیکار
رہکر شکست ہی نہیں دی بلکہ پاؤں اکھیڑ دئے اور تھوڑے ہی
عرصہ میں پرگنہ سنگمنیر سے سیواجی اور اس کی باغی جماعت کو
مار بھگایا۔ باغی سنگمنیر سے بھاگ کر ناسک کی حدود میں داخل
ہوگئے اور وہاں کی رعایا پر ظلم و تعدّی کرنے لگے! شایستہ خاں
کو اس ظلم و بدامنی کی خبر ملی تو اس نے شیخ فرید[1] کو ناسک کا تھانہ دار
مقرر کیا اور باغیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا! شیخ فرید ناسک
کی طرف چلے اور ان کو معلوم ہوا کہ تمام رعایا بدامنی اور باغیوں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۷) چاندور اں کو قندھار و نامدھیر کے قبضہ میں لانے پر مقرر کیا اور شایستہ خاں کو آٹھ ہزار کی جمعیت سے جنیر، سنگمنیر، ناسک۔ اور ترمبک کے قلعوں کو باغیوں کے تصرف سے نکالنے اور ساہو کی فرار و اقعی تادیب کے لئے روانہ کیا! شیخ فرید تنا بسہ خاں والی جمعیت میں متعین رہ کر سرگرم پیکار ہوے! (ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ ملا عبدالحمید لاہوری۔ جلد اول دور دوم صفحہ ۱۳۵ - ۱۳۷۔ شیخ فرید کا ذکر صفحہ ۱۳۷ پر ملیگا!) بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر۔

کے دستِ تظلم سے تنگ آکر اپنا گھر بار چھوڑ بھاگی ہے اور فصل ایستادہ کا خبرگیراں کوئی بھی نہیں رہا ہے! باغیوں پر شیخ فرید[۱۴] کی ہیبت اس درجہ طاری تھی کہ اُن کے ناسک کے حدود میں قدم رکھتے ہی تمام باغی۔ بلا کسی قابل ذکر مقابلہ کے۔ سر پہ پاؤں رکھکر ناسک سے کوکن کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے! احمد خاں نیازی ڈنڈوری میں اور مہمند سردار انکولہ میں ضبط پرگنات کے لئے اور زیادہ ترسراسیمہ اور خائف رعایا کو تسلّی دیکر زراعت کے کاروبار پر واپس لانے کی غرض سے متعین ہو چکے تھے۔ بہت تھوڑے عرصہ میں شیخ فرید نے ناسک کو باغیوں کے وجودِ شرانگیز سے پاک کر دیا اور امن و انتظام قایم کرکے رعایا، کاشتکار جماعت کو آرام و آسایش کی زندگی بہم پہنچادی!

ناسک ناسک کی تھانہ داری پر متعیّن ہونے کے بعد سے ہی شیخ فرید شایستہ خاں والی جمعیت سے علیحدہ ہو گئے! شایستہ خاں جنیر کی فتح اور سیواجی کے مقابلہ میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۸) نمبر ۱۳۔ بادشاہ نامہ جلد اول دور دوم۔ صفحہ ۱۴۸!

نمبر ۱۴۔ بادشاہ نامہ جلد اول دور دوم۔ صفحہ ۱۴۹

منہمک رہا مگر یہ پھر اس جمعیت[1] کے ساتھ شریک پیکار نہیں رہے۔ ناسک اور اس کے نواح کو باغیوں کے وجود سے پاک کرنا اور تمام رعایا و کاشتکاروں کو تسلّی دیکر از سرِ نو آباد کرنا ایسا اہم فرض تھا جس میں ان کا تمام تر وقت صرف ہوا۔ ناسک ہی میں نہیں بلکہ اس کے نواح کے مواضعات سے بھی باغیوں کو صاف کرنا تھا اس لئے کم و بیش سال بھر شیخ فرید باغیوں کے استیصال میں مختلف مقامات پر مصروف رہے۔ چنانچہ اسی زمانہ کے ایک فرمانِ شاہجہانی سے ان خدمات کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ یہ فرمان جس کی نقل حرف بحرف درجِ ذیل ہے۔ شیخ فرید کی اس عرضداشت کے جواب میں صادر ہوا تھا جو انھوں نے موضع اہولی کے رفع بغاوت کے بعد ارسالِ بارگاہِ شاہجہانی کی تھی: فرمان پرانا اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے اکثر جگہ سے پھٹ گیا ہے۔ اس لئے جہاں جہاں عبارت اڑگئی ہے وہاں نقل کرنے میں نقطے لگا دئے گئے ہیں:—

"درخانہ زاد قابل المرحمۃ، لائق العنایتہ و المراحم، شیخ

نمبر ۱۵ - یہ فرمان شاہجہانی اصلی خان بہادر شفاء الملک حکیم (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

فرزند المخاطب ۔۔۔۔۔۔ بعنایتِ بادشاہانہ
مستمل وامیدوار گشتہ بداند کہ عرضہ واشتے کہ
در ببولا ۔۔۔۔۔۔ نوشتہ بدرگاہِ عالم پناہ ارسال
داشتہ بود بتاریخ ۲۵ فروردین برسید و انچہ از
تنبیہ نمودنِ مقہوران کہ در موضع اہولی جمع شدہ
بودند و در بعضے مواضع آنہا می رسانیدند معروض
داشتہ بود، معلوم رائے عالم آرائے گردید
وارے محسن محرالے آں تھانہ زاد شد۔ می باید
کہ ہمیں دستور مقہورانِ آں سرزمین را آنچناں
تنبیہ نماید کہ دیگر اثرے از آنہا نماند و رعایا مرفہ الحال
بود ۔۔۔۔۔۔۔ و مقام حوالے وناسمدار موبوع
تخلف وانحراف نورزد۔ تاریخ ۲۴ ۔۔۔ بسنہ ۹ جلوس

اسی فرمان کی پشت پر "برسالۂ مرید خاص و فرزند تمام اختصاص دارا شکوہ۔ معرفت کمترین فدویان افضل خاں" درج ہے! اس فرمان کی عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تھانہ داری ناسک کے زمانہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۰) رضی الدین احمد خاں صاحب مرحوم رئیس دہلی و سیجو پور کے قبضہ میں تھا۔

میں شیخ فرید موضع اہولی اور اس کے قرب و جوار کے مواضعات کو باغیوں کے وجود سے پاک کرنے میں مصروف رہے!

ناسک کی تھانہ داری کی میعاد کم و بیش ایک

فساد جندوار سال نظر آتی ہے کیونکہ دوسرے سال فرید کو دوسری مہم پر جانا پڑتا ہے! شاہجہاں کو محالِ پرگنہ سہسوان میں۔ شیر و صحرائی جانوروں کے شکار میں۔ خبر ملی کہ جندوار کے فساد پیشہ باغی موضع کروین میں جمع ہوئے ہیں اور بغاوت پر آمادہ ہیں!

۹۔ شوال ۱۰۴۷ھ [۱۶] ۱۶۳۸ء کو شاہجہاں نے شیخ فرید، اصالت خاں اور دیگر سرداروں کو اس فساد کے فرو کرنے اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے متعین کیا۔ بہادروں نے سرعت کے ساتھ بڑھکر قلعہ جاپا کا۔ جس پر باغیوں کو بہت کچھ گھمنڈ تھا۔ محاصرہ کر لیا اور باغی قلعہ بند ہو کر تیر و تفنگ برسانے میں مشغول ہوئے! سرداروں نے کمند کے ذریعہ سے۔ نہایت دلیری کے ساتھ۔ مقابلہ کرتے ہوئے، فوج کو دیوار پر سے بھی اندر اُتار ا اور دروازہ پر قابض ہو کر اُس طرف سے بھی اندر جا گھسے! باغی زیادہ تر تلوار خون آشام کے نذر ہوئے!

نمبر ۱۶۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۱ و ۲۲!

اور کمتر اسیر ہوئے! شاہی سرداروں میں سے محض جانسپار خاں
کالڑ کا کام آیا! چند دن میں قلعہ جاپال شکر شاہی کے قبضہ میں تھا
اور پرگنہ جندوار مادۂ فاسد سے پاک تھا!

تنبیہ ہزارہ جات

پرگنہ جندوار کے فساد کو دور کر چکنے کے بعد خدا جانے شیخ
فرید اور مہمات میں حصہ لیتے رہے یا نہیں۔ تاریخ کا سکوت
اس وقت دور ہوتا ہے جب سنہ ۱۰۵۰ھ میں یہ مہم ہزارہ جات
پر متعین ہوتے ہیں! ہزارہ جات کی شورش اور نذر محمد خاں
والئے بلخ کی سرکشی، ایسی چیزیں تھیں جن کے مستقل استیصال

نمبر ۱۔ جہانگیر نے اپنے زمانۂ بادشاہی میں کابل کی طرف سے لاپروائی اختیار
کرلی تھی اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ملنگتوین نامی ایک باغی نے موقعہ پاکر ہزارہ جات
ونواح کابل کے اکثر شہر اپنے تصرف میں لاکر مال گزاری دینے اور ناظم کابل کی اطاعت
کرنے سے قطعی انحراف شروع کر دیا تھا۔ شاہجہاں کو تخت نشینی کے وقت سے
اس کا خیال تھا مگر سنہ ۱۰۵۰ھ سے پیشتر دیگر مہمات نے اُسے اس طرف توجہ کرنے کا
موقعہ نہ دیا! اگرچہ سنہ ۱۰۴۹ھ میں شاہ شجاع کو اسی حصہ کی مہم پر مامور کیا تھا مگر اُس
سے شاہ ایران کو یہ شبہ ہوا تھا کہ شاہجہاں کا ارادہ ماوراء النہر کے چھین لینے کا ہے۔
مختصر یہ کہ شاہجہاں کو شجاع کے تعین سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا اور مجبوراً سنہ ۱۰۵۰ھ
میں تنبیہ ہزارہ جات کے لئے باقاعدہ لشکر کشی کرنی پڑی! (ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ
جلد دوم صفحہ ۱۴۸)

کا ارادہ شاہجہاں کے دل میں عرصہ سے تھا لیکن اُس کا عملی ظہور کافی طور پر ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ء) سے پیشتر نہیں ہوا۔ اس سال خان دوراں[18] بہادر نصرت جنگ اور سعید خاں بہادر ظفر جنگ اور شیخ فرید معہ دیگر سرداران اس مہم پر نذر محمد خاں کی تادیب کے لئے مقرر ہوئے اور شاہ ایران کو مطمئن کر دیا گیا کہ وہ اس لشکر کشی سے کوئی اور غلط فہمی نہ پیدا کرے! لشکر شاہی نے دونوں جانب سے ہزارہ جات پر حملہ شروع کیا اور تمام علاقہ کو باغیوں اور شر انگیز شخصوں کے وجود سے پاک کر دیا۔ نذر محمد خاں اس وقت بلخ میں تھا۔ فتح شاہی کو سنتے ہی ہراساں ہو گیا اور نذر گراں بہا کے ساتھ نامۂ اطاعت منصور حاجی کے ہاتھ شاہجہاں کی خدمت میں روانہ کر کے طالب معافی ہوا! سرداران شاہی نے ۲۴۔ ربیع الاول کو مژدۂ کامیابی بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیا! لشکر کو واپسی کا حکم ملا اور شیخ فرید[19] نصرت جنگ کے ساتھ دارالخلافہ تک آ کر اپنے علاقہ کی طرف چلے آئے!

نمبر ۱۸۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۱۴۸ تا ۱۵۳!

نمبر ۱۹۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۱۵۴!

مہمِ مئو

شیخ فرید کو اپنے علاقہ میں مشکل سے چند ماہ کے لئے آرام میسر آیا ہوگا کیونکہ شاہجہاں مئو کی فتح پر اور جگت سنگھ و راج روپ کی تنبیہ فرا واقعی پر ہمہ تن متوجہ تھا! جب ہر طرح معلوم ہو گیا کہ "جگت سنگھ محض مکر اور بے ایمانی سے جہاں تک ہو سکے کام لینا چاہتا ہے" تو ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۲ء) میں شاہجہاں نے تین سرداروں کی ماتحتی میں تین فوجیں اسی مہم کے لئے متعین کیں۔ سعید خاں بہادر ظفر جنگ والی فوج کے ساتھ جو سردار بطور کمک یا امداد متعین ہوئے تھے اُن ہی میں شیخ فرید بھی تھے۔ ہر سہ افواج کو حکم ملا کہ مختلف سمتوں سے پیشقدمی کریں اور پٹھان پر تمام

نمبر ۲۔ سنہ ۱۳ جلوس شاہجہانی میں جبکہ جگت سنگھ کشمیر میں ہمرکاب خدمت شاہی تھا۔ شاہجہاں کو راج روپ کے ارادۂ فاسد اور بغاوت سری کا حال معلوم ہوا اور اُس نے اس کا انتظام ضروری سمجھا! راج روپ جگت سنگھ کا بڑا لڑکا تھا جس کو شاہجہاں نے سال گذشتہ میں سنہ ۱۲ جلوس میں۔ اظہار اطاعت پر دامنِ کوہ کانگرہ کی فوجداری پر مقرر کر دیا تھا۔ اب ایک سال بعد جو اس کی بغاوت کا پتہ چلا تو اس کے باپ جگت سنگھ نے بندگان شاہی میں درخواست دی کہ بجائے راج روپ کے اُس کو کانگرہ کی فوجداری پر مقرر کیا جائے تو وہ راج روپ جیسے ناشدنی لڑکے کو بھی (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

فوجیں ایک دوسرے سے آملیں اور شاہزادہ مراد بخش کا انتظار کریں جو ہر سہ افواج کا سر عساکر کمانڈر ان چیف مقرر ہوا تھا۔ یہ مہم اُس زمانہ کے لحاظ سے بڑی اور پیچیدہ لڑائیوں کے شمار میں آتی ہے۔ بادشاہ نامہ اور منتخب اللباب اس کے تفصیلی حالات سے بھری پڑی ہیں! میں محض ضروری نقل و حرکت کو نذر ناظرین کرتا ہوں! سر عساکر شاہزادہ مراد بخش رسد و آذوقہ کے لئے' پٹھان میں خیمہ زن رہا۔ سید خان جہاں قلعہ نور پور کی طرف چلا۔ اور شیخ فرید ظفر جنگ کے ساتھ دامن کوہ ہاں کی طرف سے بڑھکر نواحی سُو میں اصالت خاں سے جا ملے! راجہ باسو کے باغ کو معسکر بنایا گیا راجہ باسو جگت سنگھ کا باپ تھا جس نے یہ باغ درّہ کے دہانہ پہ ہموار جگہ نصب کیا تھا!

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۵) سزادے اور مرزبانوں سے تحصیل وصول کے بعد نذرانہ واجب بھی پیشکش کرے! شاہجہاں کی نیک سرشتی نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور جگت سنگھ کشمیر سے روانہ ہو کر وطن کو چلا! وہاں پہنچتے ہی کیسالی (عیاشی) اور کہاں کا انتظام۔ قلعہ جات اور درّوں کو مضبوط کیا، راستے قریب قریب مسدود کر دئے اور قلعہ تارا گڑھ کو کیل کانٹے سے درست کر لیا! شاہجہاں نے اس کی خبر پاتے ہی سندر کب رائے کو تحقیق کی غرض سے بھیجا سندر نے جو کچھ وہاں معلوم کیا اور جو کچھ لکھا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ جگت سنگھ بظاہر (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

اس مقام سے قلعۂ مئو تک سلسلۂ کوہ، ناہموار درّے، دشمن کے مورچے، تنگ راستوں پر کمین گاہیں، اور مختلف دشوار گذار استحکامات حائل تھے! ہر بند اور ہر مورچہ پر لشکر شاہی کو دشمن کی جماعتوں سے جو استحکامات کی آڑ پکڑ کر تیر و تفنگ برساتی تھیں دوچار ہونا پڑتا تھا اور یہ مقابلوں کا سلسلہ برابر روزانہ جاری تھا! شاہزادہ کے حکم سے ظفر جنگ اور شیخ فرید پُر والے راستہ کی طرف چلے! دامنِ کوہ تک پہنچکر ٹھہرنا پڑا! سعد اللہ و عبد اللہ ظفر جنگ کے بیٹے۔ انتخابِ معسکر کے لئے پہاڑی کے اوپر گئے اور اپنی جمعیت کے ساتھ جنگل اور جھاڑ جھنکاڑ کے صاف کرنے میں مصروف ہوئے، دشمن کو تراکم اشجار نے بہت کچھ دلیر بنا رکھا تھا لہذا چار پانچ ہزار کی جماعت برابر والی اونچی پہاڑی پر نمودار ہوتے ہی آتشِ پیکار گرم کر بیٹھی! ظفر جنگ نے دامنِ کوہ سے لطف اللہ کو پہلے، اور شیخ فرید کو تھوڑے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۰) اطاعت کی جھول اوڑھنا چاہتا ہی مگر فی الحقیقت سر بسر فساد ہے اور آمادہ پیکار ہے اسی لئے دھوکا دیکر اور زیادہ وقت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس تحقیقِ خبر کے بعد شاہجہاں نے سید خانجہاں۔ سعید خاں ظفر جنگ۔ اور راجہ جے سنگھ کی سرداری میں تین افواج روانہ کیں اور شاہزادہ مراد بخش کو سر عسکر مقرر کیا۔ شیخ فرید ظفر جنگ والی فوج میں تھے (بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۹) (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

وقفہ کے بعد، کمک پر روانہ کیا! دشمن دراصل تمام درخت زار میں مور و مار کی طرح پھیلے ہوئے تھے؛ لطف اللہ کو راستہ ہی میں ایک گروہ نے آلیا! زد و خورد شروع ہوگئی، لطف اللہ زخمی ہوا مگر پیچھے آنے والی کمک۔ یعنی شیخ فرید والی جماعت۔ عین وقت پر پہنچکر آڑے آئی! کمک نے پوری بہادری کے ساتھ دشمن کو مار بھگایا اور لطف اللہ کو بمشکل تمام بچالیا! دو روز کے اندر پُر کے قریب معسکر کے گرد خندق و خار بست کا مستحکم دور بن گیا!

پیش قدمی روزانہ تھوڑی ہوتی تھی! چھوٹے چھوٹے مقابلے، دلیرانہ معرکے، سرعت آمیز حملے، روزانہ پیش آتے تھے اور روزانہ لشکر شاہی غالب آتا جاتا تھا! ان سب معرکوں میں ۱۲-شعبان والا معرکہ زیادہ اہم تھا۔ اس دن لشکر شاہی اس باڑ کے سامنے پہنچ گیا تھا جو دشمن نے راجہ باسو والے باغ کی متصل پہاڑی پر باندھی تھی! نجابت خاں، ذوالفقار خاں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰) نمبر ۲۱- بادشاہ نامہ ملا عبدالحمید لاہوری جلد ۲ صفحہ ۲۶۵!

توپ خانہ کے ساتھ، اور شیخ فرید[۲۲] (معہ اور امرار) جماعت تیر و تفنگ انداز کو لیکر، مختلف سمتوں سے بارہ کی طرف بڑھے! شیخ فرید والی جماعت بڑی بہادری کے ساتھ، لکڑی کے تختوں کو سپر بنائے اور محض سر بچائے، دشمن کی بارشِ تیر و تفنگ کا مطلق بھی خیال نہ کرکے، سرعت کے ساتھ حملہ آور ہوئی! تیزی کے ساتھ دوڑ دوڑ کر مغلیے باڑ کے قریب پہنچے اور اُن ہی سپر کا کام دینے والے تختوں کو نہایت جلد ترتیب دیکر بڑی دلیری کے ساتھ باڑ کے مقابل میں اپنا مورچہ بنا لیا! مورچہ کے مستحکم ہوتے ہی باڑ پر جا پڑے اور نہایت خونریز معرکہ پیش آیا۔ دشمن کی قریب قریب کل جماعت جو اس باڑ پر متعین تھی طعمۂ شمشیر ہوگئی! اس معرکہ میں سب سے زیادہ دلیری شیخ فرید والی جماعت نے دکھائی اور باڑ کو سینہ سپر ہو کر فتح کرلیا! ایسے ہی معرکوں کا سلسلہ برابر جاری رہا! غرۂ رمضان المبارک وہ دن تھا جب شاہجہان کی تاکید کی وجہ سے شاہزادہ مراد بخش خود بھی پٹھان سے بڑھا اور سب پر پھر تاکید کی گئی کہ بہادری اور جاں بازی سے کام لیں!

نمبر ۲۲ - بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۶۶!

شاہزادہ مراد بخش، ظفر جنگ اور شیخ فرید، بہادر خاں، خانجہاں، مختلف سمتوں سے قلعۂ مئو پر بڑھے۔ پانچ روز تک نہایت سخت اور خونریز لڑائی جاری رہی جس میں دو تین ہزار سپاہی لشکرِ شاہی سے شہید ہوئے اور کثیر تعداد دوسری جانب کی کام آئی! قلعہ مئو کا بیرونی حصار اس قدر جانفشانی کے بعد نظر آیا! شاہزادہ نے یورش کا ایک دن مقرر کرکے تمام سرداروں کو اطلاع دیدی اور تاکید کردی کہ اُس روز حتی الامکان۔ قلعہ فتح کرلیا جائے! تمام سردار تاریخ مقررہ پر اپنی اپنی جانب سے حملہ آور ہوئے۔ لڑائی کے گھمسان اور خونریزی کی شدت نے قلعہ کی فصیل و دروازہ کو نمونۂ دوزخ بنادیا۔ معرکۂ خونریز نے کثیر التعداد قالبوں کو زندۂ جاوید روح کی نعمت سے محروم کرکے قلعہ مئو کو لشکرِ شاہی کے ہاتھ میں دیدیا! یہ فتح آخر رمضان المبارک میں ہوئی جس کے ساتھ جگت سنگھ تاراگڑھ کی طرف بھاگ گیا!

فتحِ مئو کے بعد ظفر جنگ تو واپس بلا لئے گئے اور پنجاب کی طرف بھیجے گئے مگر بقیہ افواج شاہزادہ مراد بخش کے ساتھ تاراگڑھ کی مہم پہ متعین ہوئیں! یہاں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ شیخ فرید ظفر جنگ والی جماعت کے ساتھ واپس گئے یا تاراگڑھ کی مہم میں بھی شریک ہوئے۔

بادشاہ نامہ کی عبارت سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ایسی صورت میں

تارا گڑھ میں شیخ فرید کی شرکت یا عدم شرکت۔ دونوں میں

سے کسی۔ پر یقین کے ساتھ کوئی رائے نہیں لگائی جا سکتی!

ہم اسی وجہ سے تارا گڑھ کو چھوڑ تے ہیں!!

تا خت کابل صوبۂ قندھار دارائے ایران کی[۲۳] آنکھ میں عرصہ سے کھٹک رہا تھا آ

کھلم کھلا اس کا ظہور ہوا۔ صفدر خاں صوبہ دارِ قندھار و غزنی اسد خاں

حارسِ بُست نے شاہجہاں کو اطلاع دی کہ شاہِ ایران

نے ایک لشکرِ جرّار رستم خاں گرجی سپہ سالار کی سرداری میں

قندھار کے لئے روانہ کیا ہے جو فی الحال نیشاپور میں شاہ

ایران کے پہنچنے کا منتظر ہے! شاہ جہاں کو ۱۰۵۲ھ ۱۶۴۲ء میں اپنے

نمبر ۲۳- صوبۂ قندھار اور اس کے مضافات مملکتِ ہندوستان میں عرش آشیانی محمد جلال الدین اکبر کے وقت سے شامل ہو چکے تھے۔ جہانگیر کی عدم توجہی نے اس صوبہ کو ہاتھ سے نکال دیا۔ شاہ جہاں نے عنانِ سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی اس از دست رفتہ حصہ کو پھر فتح کی صورت میں حاصل کر لیا۔ صفوی دارائے ایران کی نگہ اس حصہ پر پہلے سے ہی تھی شاہجہاں کا الحاقِ قندھار اس کو شاق ہو گیا۔ اول اول تو بات بات میں خواہ مخواہ کی رکاوٹ پیدا کرتا رہا بقیہ ہزارہ جات کے وقت بھی غلط فہمی (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

بجائے شاہزادہ دارا شکوہ کو رخصت کرنا پڑا! دارائے ایران کا مقابلہ معمولی چیز نہ تھی۔ اُس زمانہ کی دو بڑی طاقتیں دست و گریبان ہونا چاہتی تھیں! شیخ فرید مہم مئو سے واپس آتے ہی اس مہم پر متعین ہوئے! صوبہ داران متعینہ کی افواج مجموعی پچپن ہزار کے قریب تھی اور شاہی فوج، توپ خانہ و کارخانجات کے علاوہ، پانچ ہزار سوار برقنداز و کماندار، اور پانچ ہزار پیادہ تفنگچی و باندار تھی! صوبہ داران متعینہ کو رخصت کے وقت بطور سفر خرچ بڑی بڑی رقمیں عطا ہوئیں! شیخ فرید کو بھی اپنے منصب کے لحاظ سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ ملا! یہ عطائے شاہانہ تو عام تھی لیکن شیخ فرید کے ساتھ جو خصوصیت برتی گئی وہ اس سے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۱) پیدا ہو جانے کی کوشش کرتا رہا، مگر جب کوئی معقول حیلہ ہاتھ نہ آیا تو کھلم کھلا فتح قندھار پر کمربستہ ہو گیا! فی الحقیقت وہ عرصہ سے قندھار کے لئے "روز بے تاب، و شب بے خواب" تھا۔ اس قدر عرصہ تک رُک جانا بھی محض اس وجہ سے ہوا کہ سلطان مراد خاں فرماں روائے روم نے بغداد کا رُخ کیا اور صفی شاہِ ایران کو اس کے مقابلہ میں مشغول پیکار رہنا پڑا۔ سلطان مراد نے بغداد تو فتح کر لیا تھا لیکن فرنگیوں کی نیت بد کی اطلاع پاکر وہ فوراً استانبول کی طرف لوٹ پڑا! ادھر میدان خالی پاکر مملکت رفتہ کو شاہ صفی نے قزلباشوں کی بڑی تعداد بزورِ شمشیر جیت کر پھر حاصل کر لیا۔ پھر اس کے بعد دو سال تک بھی بگڑی فوج کے جمع کرنے اور نقصانات کو پورا کرنے میں مصروف رہکر (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

علیحدہ رہی۔ ان کو رخصت کے وقت[۲۶] علم بھی عطا ہوا، اور بیش بہا[۲۷] خلعت اور گھوڑا بھی مرحمت ہوا!

یہ لشکر جرار شاہزادہ دارا شکوہ کے ساتھ کابل بسرعت پہنچا اور دریائے نیلاب کو عبور ہی کر چکا تھا کہ صفی شاہِ ایران کے اس دارِ ناپائدار سے کنارہ کر جانے کی خبر ملی! شاہجہاں نے پھر بھی یہ ہی حکم بھیجا کہ ٹھہر کر تحقیق کرو اور تحقیقات کا نتیجہ بھی وہی نکلا۔ کیونکہ واقعی شاہِ ایران ۱۲ صفر کو شکار میں مصروف، عادتِ مے آشامی کے سرِ عدیم

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۲) سنہ ۱۵ جلوس شاہجہانی میں قندھار کا عزم کیا اور رستم خاں گرجی سپہ سالار کو سپاہِ گراں کے ساتھ روانہ کیا! (بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۹۱)

نمبر ۲۴۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۹۳! منتخب اللباب خافی خاں جلد اول صفحہ ۵۸۹۔

نمبر ۲۵۔ رخصت کے وقت تمام منصب داروں کو جو سفرِ خرچ کی رقمیں ملی تھیں وہ اس حساب سے ملی تھیں کہ ہر ایک سوار کے منصب دار کو دس ہزار روپیہ اور کم و زیادہ والے کو اسی حساب سے کم اور زیادہ بشیخ فرید کا منصب اس وقت "دو ہزاری و پانصدی ذات" اور "دو ہزار و پانصد سوار" تھا۔ شرح مذکور کی رو سے ڈیڑھ لاکھ شیخ فرید کا سفر خرچ آتا ہے۔ (بادشاہ نامہ جلد دوم ۲۹۵)

نمبر ۲۶۔ مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۱

نمبر ۲۷۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۹۴!

ہوگیا تھا اور اُس کا نابالغ بچہ شاہ عباس کے خطاب سے قزوین میں تخت نشین ہوچکا تھا! داراشکوہ کا دانت ہرات اور سیستان پر تھا مگر شاہ جہاں کی عالی ظرفی نے ایک خورد سال لڑکے کی مملکت کا کوئی جز فتح کرلینا شایان شان نہ سمجھا۔ مجبوراً تمام لشکر و امراء کو واپس آنا پڑا۔ منصب داروں کا تمام حوصلہ دل ہی میں رہ گیا! مہم قندھار نے محض تاخت کابل میں جنم لے لیا!

نظم دار الخلافہ

تاریخ سے پھر پتہ نہیں چلتا کہ "تاخت کابل" سے واپسی پر شیخ فرید، نصرت جنگ والے لشکر میں متعین ہوکر مہم کشمیر پر چلے گئے یا اور کسی مہم میں مصروف پیکار رہے! ان کا ذکر علیحدہ طور پر اس وقت ملتا ہے جب وہ دار الخلافہ اکبر آباد کے ناظم مقرر ہوتے ہیں! اکبر آباد پایہ تخت ہونے کی وجہ سے۔ ظاہر ہے کہ۔ کسقدر معتم بالشان شہر تھا اور اُس کی نظامت۔ خود غور کیجئے کہ۔ کیسی خاص مرتبہ اور قابلیت انتظامی کی چیز ہوگی؟ جو کچھ بھی ہو۔ نظامتِ دار الخلافہ، اور جگہ کی صوبہ داری یا تھانہ داری سے بدرجہا ممتاز تھی اور معمولی عزت نہ تھی!

شیخ فرید[۲۸] کا تقرر تو ذی الحجہ ۱۰۵۵ھ میں بطور ناظم دارالخلافہ ہو چکا تھا لیکن کسی مہم میں مصروف ہونے کی وجہ سے وہ کئی مہینے تک اپنی جگہ پر نہ پہنچ سکے اور راجہ جسونت سنگھ محض ان کے پہنچنے تک حفاظت کا چارج سنبھالے رہے!

۱۶ صفر ۱۰۵۶ھ[۲۹] کو شاہجہاں نے جبکہ وہ بھنبھر میں خیمہ زن تھا شیخ فرید کو منصب سہ ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار کی ترقی سے سرفراز فرما کر نظم دارالخلافہ کے معزز عہدہ کا چارج لینے کے لئے رخصت کیا! شیخ فرید جسونت سنگھ کو سبکدوش کرنے کے بعد کم و بیش ایک سال ناظم دارالخلافہ اکبرآباد رہے۔ اس قلیل مدت میں کوئی غیر معمولی واقعہ یا فساد دارالخلافہ میں پیش آنا نہیں پایا جاتا۔ مہم آئندہ کی وجہ سے غالباً اس نظامت کی مدت اس قدر تھوڑی رہ گئی!

بدخشاں و فتوحاتِ بلخ

سنہ ۱۹ جلوس شاہجہانی۔ یعنی آخر ذی الحجہ ۱۰۵۵ھ۔

نمبر ۲۸۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۴۰۷!

نمبر ۲۹۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۴۱۸!

میں شاہجہاں نے بلخ و بدخشاں کی طرف توجہ کی! اس مہم میں نذر محمد خاں جیسے شخص سے مقابلہ تھا اور دارائے ایران سے بھی چل جانے کا احتمال تھا۔ اس لئے شاہجہاں نے غیر معمولی انتظام کے ساتھ بہت بڑی طاقت شاہزادہ مراد بخش کے ساتھ روانہ کی! اس کل لشکر جرّار پر امیر الامراء علی مردان خاں افسر اعلے کے طور پر تھا اور چیدہ چیدہ امراء و منصب داروں کے علاوہ سات بڑے سردار ایسے تھے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ بجائے خود سات سات امیر نامی مقرر ہوئے تھے۔ گویا ہر سردار سات امرائے نامی کا بجائے خود افسر تھا! شیخ فرید اور اُن کے بھتیجے۔ کشور خاں کے لڑکے شیخ الہ دیا بھی جو پہلے سے منصب داران شاہی کی فہرست میں آ چکے تھے متعین ہوئے! شیخ فرید کے اُس زمانہ کے پوزیشن کی نسبت اسقدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ اُن سات[۳۰] سرداروں میں سے تھے جن میں سے ہر ایک کی ماتحتی میں سات سات امرائے نامی متعین ہوئے تھے! تمام منصب داران و امرائے متعینہ کی تعداد ۷۰ ہم بلخی اور بدکورد

نمبر ۳۰۔ منتخب اللباب خافی خاں جلد اول صفحہ ۶۱۹ * بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۴۸۸!

بالا، سردار اس کے علاوہ تھے! راجپوت فوج پر راجپوت افسر اور مسلمان فوج پر مسلمان سردار یمین و یسار پر علاحدہ علاحدہ مقرر کئے گئے تھے! سات لاکھ روپیہ اور دو ہزار گھوڑے راستہ کا خرچ اور نقصانات پورا کرنے کے لئے بطور حصۂ محفوظ کے ساتھ تھے!

کتل طول کے قریب بعض بعض جگہ کمر تک اونچی برف موجود تھی! تیس ہزار بیلدار و تبردار و سنگ تراش اس برف کو توڑنے پر مقرر ہوئے! تمام افواج اور کارخانہ جات کے نکلتے نکلتے ایک ہفتہ گذر چکا تھا! خسرو خاں۔ نذر محمد خاں کا دوسرا لڑکا۔ جو بدخشاں اور قندز میں تھا اوزبک پٹھانوں کی تاخت و تاراج سے تنگ آکر خود شاہزادہ کی خدمت میں بغرض اطاعت حاضر ہو گیا! ہراول شاہی بہت آگے بڑھ گیا تھا اور قلعۂ کھمرد پر یورش کر رہا تھا! قباد اس جگہ کا قلعہ دار پورے مقابلہ و کوشش کے بعد پانسو اوزبک کے ساتھ مطیع ہو کر طالب امان ہوا! اوزبکیہ گروہ جو خسرو خاں کے چلے جانے کے وقت سے قندز میں لوٹ مار اور بدامنی پھیلا رہے تھے افواج شاہی کی خبر سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور قندز اس طرح بہ آسانی فتح ہو کر مہم بدخشاں تکمیل کو پہنچ گئی!

نذر محمد خاں بلخ میں تھا اور اُس کی نیت فاسد کا حال معلوم ہو چکا[۱۳۱]
تھا۔ بدخشاں کے بعد شاہزادہ نے بلخ کا رخ کیا اور فی الحقیقت
یہ ہی مہم سخت اور مشکل تھی۔ افواج شاہی سرعت کے شاہ مرداں
تک پہنچ گئی۔ یہاں بہرام خاں اور سبحان قلی خاں۔ نذر محمد خاں
کے لڑکے۔ استقبال کے لئے حاضر تھے! شاہزادہ نے شہر کے
باہر خیمہ زن ہو کر نذر محمد خاں کو اپنے پاس طلب کیا اور سرداروں
کو قلعہ کے اموال و مداخل و مخارج کے ضبط کا حکم دیا! نذر محمد خاں
اس عجلت سے حواس باختہ ہو چلا! شاہزادہ مراد کی دعوت کرنے
کے بہانہ سے قلعہ سے نکل کر باغ مراد میں آیا اور لعل و جواہر کمر سے
باندھ، زرہ بکتر پہن، موقعہ پاتے ہی چند رفیقوں کے ساتھ
صاف نکل گیا! ۱۰۵۶ھ ۱۶۴۶ء - غرۂ جمادی الآخر۔ وہ تاریخ تھی جب
بلخ میں شہنشاہِ ہندوستان شاہ جہاں کے نام کا خطبہ پڑھ دیا

نمبر ۱۳۱۔ شاہ جہاں نے ایک نامۂ نصیحت آمیز نذر محمد خاں کو اسحٰق بیگ بخشی کابل
کے ہمدست روانہ کیا تھا۔ نذر محمد خاں نے اس کے جواب میں بہت کچھ اظہار
اطاعت کیا مگر اسحٰق بیگ نے اُس کی اصلی نیت اور دلی ارادہ سے بادشاہ کو
مطلع کر دیا۔ اس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ نذر محمد خاں کی اطاعت کی جھول بظاہر
بہت خوشنما ہے مگر بباطن کچھ بھی نہیں!

گیا : بلخ کا الحاق تو ہو گیا لیکن لڑائی کا اختتام نہ ہوا۔ بہادر خاں، اصالت خاں، اور شیخ فرید نذر محمد خاں کے تعاقب پر مقرر ہوئے! ان سرداروں نے سخت مصائب کو برداشت کر کے، نذر محمد خاں کو جا لیا۔ مقابلہ ہوا اور نذر محمد خاں اندجان کی طرف اور سبحان قلی خاں بخارا کی طرف، بھاگے! سردار شکست دینے کے بعد ہشتر خاں۔ یا۔ شیر خاں میں مقیم ہوئے اور شاہزادہ کو اطلاع دی! شاہزادہ پہلے ہی سے بددل تھا اور شاہ جہاں سے درخواست کر چکا تھا کہ اس کو واپسی کی اجازت دی جائے : شاہ جہاں نے اُس کو روکنا چاہا اور انتظامِ امن کی ترغیب دلائی مگر مراد بلا حصول اجازت چل پڑا : یہ خبر سُنی کہ شاہجہاں نے علّامی سعد اللہ خاں کو مراد کے سمجھانے کو بھیجا۔ لیکن مراد نہ مانا اور نہ مانا۔ سعد اللہ خاں کے ذریعہ سے افواج کو بلخ و مفتوحہ علاقہ میں قیام کئے رہنے کا حکم ملا اور مراد عتاب شاہجہانی کے بدولت نے منصب و جاگیر کر دیا گیا!

مراد کے واپس چلے آنے سے عالمگیر کے مقرر ہو کر پہنچنے تک کُل علاقۂ بلخ و بدخشاں پر وہی سرداران عالی۔ جن میں ہر ایک کے ساتھ سات سات امیر نامی تھے۔ قا[illegible]

رہے! شیخ[۳۲] وزید اور بہادر خاں خاص بلخ کے نگراں اور قابض تھے! دو سال متواتر سرداران متعینہ آئے دن اوزبکوں اور المانوں کے جرگوں سے لڑتے رہے! اوزبک و المان ایسے جنگجو قبیلے تھے کہ خاموش ہو جانا ان کے مذہب میں گناہ عظیم تھا! متعدد مقابلے ہوئے سخت خونریزیاں ہوئیں۔ شب خون مارے گئے۔ سب کچھ ہوا اور برابر دو سال تمام سرداران متعینہ کا نہایت پامردی و بہادری کے ساتھ اپنی اپنی جگہ مقابلہ کرتے رہے! اسی اثنا میں ایسا بھی ہوا کہ بعض وقت شیخ

نمبر ۳۲۔ علامی سعد اللہ خاں کے پہنچنے کے وقت سے کل علاقہ سرداروں نے نگرانی و حفاظت کے لئے آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ چنانچہ قلیج خاں طالقان میں۔ رستم خاں اندخود میں۔ سعادت خاں ترمذ میں۔ شاد خاں میمنہ میں۔ راجہ راج روپ غدر میں۔ خنجر خاں اشباق میں۔ شیخ فرید محتشم خاں اور بہادر خاں خاص بلخ میں۔ حفاظت و قیام امن کے ذمہ دار تھے! عالمگیر مہم کابل پر مقرر ہو کر آیا تو تمام امرا کو حکم شاہجہانی ملا کہ شاہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوں اور مہم کابل میں ساتھ جائیں! (خافی خاں جلد اول صفحہ ۶۱۹ - ۶۸۰ اور بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۴۸۰ - ۷۰۰)

فرید جن کو اب محتشم خاں کا خطاب مل چکا تھا۔ تنہا بلخ کے
نگراں و محافظ رہے ہے: ایک مرتبہ عبدالعزیز کے اشارے پر
خنجر المان و جنت المان و فولاد سرائے سے ۱۵ ہزار کی جمعیت
سے شمشیر خاں تھانہ دار خانِ آباد کو آگھیرا تو بہادر خاں کو
اُس طرف امداد کے لیے جانا پڑا اور شیخ فرید محتشم خاں بلخ
میں رہ گئے! شہر بلخ کی محافظت اصالت خاں کے تعلق
تھی، اُن کا بھی یکایک انتقال ہو گیا اور ۲۲۔ ربیع الاول ۱۰۵۸ھ ۱۶۴۸ء[۳۳]
سے محتشم خاں کو حسبِ شہر کی محافظت پر مقرر کر دیا گیا! مختصر
یہ کہ شیخ فرید محتشم خاں ۱۰۵۸ھ ۱۶۴۹ء۔ یعنی جلوس شاہجہانی کے
بائیسویں سال۔ تک بلخ میں المانون اوزبکیوں سے لڑتے
اور شہر کی حفاظت میں مشغول رہے ہیے: مہم بلخ نہایت
عظیم الشان مہم تھی۔ کتب تاریخ اس کے واقعات مفصل
سے لبریز ہیں: اسی مہم کی وجہ سے شاہزادہ مراد معتوب
ہوا! اسی مہم کے سبب سے آخر میں عالمگیر کی طرف سے
بھی شاہجہاں کی طبیعت مکدر ہوئی۔ اور اسی مہم کی بدولت

نمبر ۳۳۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۶۸۴ و ۶۵۷ -

شیخ فرید محتشم خاں بھی عتاب شاہی سے نہ بچ سکے!

عتابِ شاہی

شیخ فرید محتشم خاں مہم بلخ و بدخشاں پر سنہ ۱۰۵۵ھ کے آخر میں روانہ ہوئے تھے اور سنہ ۱۰۵۸ھ تک مصروف پیکار و مشغول انتظام امن رہے۔ سنہ ۱۰۵۸ھ میں عتاب شاہی نازل ہوا اور واپس بلا لئے گئے۔ عتاب شاہی کی وجوہات مختلف حضرات نے مختلف بیان کی ہیں! میں اس جگہ اُن تمام تحریروں اور اقتباسات کو محض درج کئے دیتا ہوں جن کو اس زمانہ سے تعلق ہے یا جن میں اس کی وجوہات بیان کی گئی ہیں؛ اس اختلاف پر اپنی رائے اور استدلال کو آیندہ آنے والے ایک باب کے لئے محفوظ رکھتا ہوں! صمصام الدولہ۔ صاحبِ ماثر الامرائے تیموری۔ رقمطراز ہیں:-

"[۳۳] سالِ بست و دوم چوں بعرض رسید کہ
اُو (شیخ فرید) بنا بر فروتنی از ارتکاب مغیرات
از رفتن با راجہ بیتھل داس کہ بہ کابل تعین شدہ بود

نمبر ۳۳ - ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰

تعلّل بکار بردہ از منصب و جاگیر برطرف
گشتہ داخلِ لشکرِ دعاگر دید"

صمصام الدولہ تو اس کی وجہ "افزونیٔ ارتکابِ منہیات" بیان کرتے ہیں، اب خافی خاں نظام الملکی کو دیکھئے کیا کہتا ہے :-

"شیخ فرید پسرِ قطب الدین کہ بعد از مامور شدن[۳۵]
بہ کومکِ کابل از حکم انحراف ورزیدہ بود
بے منصب و بے جاگیر نمودہ روزینہ عطا
فرمودند"

ملّا عبدالحمید اپنی "تالیف" "بادشاہ نامہ" میں کہیں اس عتاب کا یا کسی ارتکاب کی افزونی کا ذکر نہیں کرتے! کتب تواریخ مطبوعہ کے بعد قلمی تواریخ کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کچھ مطلب حل نہیں ہوتا، البتہ ایک فرمان۔ جو خاص طور پر اس عتاب سے تعلق رکھتا ہے قابل لحاظ ہے۔ اس کی

نمبر ۳۵۔ منتخب اللباب خافی خاں جلد اوّل صفحہ ۶۸۳۔

عبارت بجنسہٖ ملاحظہ ہو:-

"شہامت شعار۔ بسالت آثار، لایق العنایت والاحسان۔ قابل المرحمۃ والامتنان مجتشم خان به عنایاتِ سلطانی مسرور و مبتہج گشتہ بداند که چوں از تعدّی و بدسلوکیِ آں قابل العنایۃ در درگاہِ آسمان جاہ ہر روز مذکورہ بمیان می آید و جاگیرداران بودنِ آں قابل المرحمۃ در آنجا اصلا راضی نیست۔ و دریں باب ملکہ نصیحت و ارشاد بہ آں نجابت پناہ فرمودیم۔ کہ نوع سلوک و وضعِ ہموارہ پیش گیرد کہ احدے از و آزردہ نشود۔ اثرے بر اں مرتب نشد۔ الحال مے باید کہ نظر بر مصلحت وقت داشتہ

نمبر ۳۶ - یہ فرمان بھی بڑی کوشش و جستجو کے بعد دستیاب ہو سکا: اکثر فرامین جن کو خاص طور سے اس کتاب سے تعلق ہے بعض حضرات کے قبضہ میں ہونے کی وجہ سے نقل تو درکنار دیکھنے کو بھی نہ مل سکے! مسلمانوں کے اکثر علوم و فنون۔ ہندوستان میں آکر اسی عادتِ رازداری اور ناجائز خسّت کے بدولت معدوم ہو گئے! خدا کا فضل ہے کہ یہ فرمان اصلی اب ایسے صاحب کے پاس آگیا ہے جو اس خسّت سے مبرّا ہیں: سیّد محمد صاحب رئیس سیتھو پور اس فرمان پر قابض ہیں!

ترک بودنِ آنجا نموده بدرگاه والا بیاید، یا بہ
فتحپور رفتہ بہ نشیند والا عنقریب حکم اشرف
اعلیٰ صادر خواہد شد کہ سید فرید اورا از آنجا
برآوردہ بہ فتح پور برساند * تحریراً فی التاریخ
بست و ہفتم شہر رجب المرجب سنہ بست و
دوم جلوس میمنت مانوس موافق ۱۰۵۹ھ

اس فرمان پر مُہر دارا شکوہ ابن شاہجہاں کی ہے اور پشت
پر "رسالہ کمترین بندہ ہا بہاری مل" تحریر ہے! اس فرمان
کی عبارت عتاب کی وجہ بدسلوکی و تعدّی بتاتی ہے۔ مگر ساتھ
ہی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ کے متعلق
فرمانِ بالا اپنی نوعیت کی پہلی چیز نہ تھا بلکہ اس سے پیشتر اسی
کے متعلق اور فرامین مشتمل بر پند نصائح جاری ہو چکے تھے!
یہ فرمان تو رجب ۱۰۵۹ھ کا ہے اور ایک فرمان شیخ عبدالکریم
کے نام اسی عتاب کے متعلق ذی الحجہ ۱۰۵۹ھ کا بھی مل سکا
ہے جس کی نقل بھی ملاحظہ طلب ہے:-

مشیخت و وزارت پناہ لایق العنایۃ والاحسان

نمبر ۳۷- یہ فرمان خان بہادر حکیم محمد رضی الدین خاں صاحب مرحوم (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

مخلص خاص شیخ عبد الکریم بعنایت سلطانی معزز
و سربلند گشته بداند که چوں حکم جہاں مطاع
واجب الاتّباع در باب نقد و جنس نتیجۃ الامرا
محتشم خاں که در بدایوں بوده شرف نفاذ
یافته بود که نقد را در سرکار خاصه شریفه ضبط
نمایند و جنس را انجانِ مذکور بدہند، و از عرضداشت
خان مشار الیه چناں بعرض رسید که آں جنس
ہنوز باو نرسیده : بنابرآں حکم عالی صادر
می گردد که آں شیخت پناه یک کس معتمد را
نزد مکرند اس کروری بریلی بفرستند، تا
آنچه از جنس خانِ مومی الیه در آنجا باشد
تحقیق و تشخیص نموده بتمام حواله کسان خان
معز الیه نماید و نیز گماشته ہائے جاگیرداراں که

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۲۵) شفاء الملک - رئیس دہلی کے پاس ہیں - جس قدر دلچسپی انھوں نے میری درخواست طلب فرمان ہذا پر ظاہر کی اُس کا معاوضہ قلم سے - نہ زبان سے - کسی طرح نہیں کر سکتا! کئی گھنٹے متواتر انھوں نے اُن تمام فرامین کی نقول کے نذر کئے جو اُن کے قبضہ میں ہیں!

مکرندد اس کروری پیش خود نگاہ داشتہ
است باید کہ در باب آنہا ہم بموجب آیہ تاکید
نماید کہ بہ کسان او بسپارد تا معاملۂ حاصلے
خود را از آنہا فہمیدہ بگیرد۔ دریں باب قدغن
دانستہ تخلف نورزد + تحریر فی التاریخ
بست و دوم شہر ذی الحجہ سنہ بیست و سویم
جلوس میمنت مانوس موافق ۱۰۵۹ھ!

اس فرمان پر بھی دارا شکوہ کی مہر ہے! گویا یہ دونوں فرمان نہیں بلکہ "نشان" ہیں۔ نشان وہ فرمان کہا جاتا تھا جو شاہِ وقت کی مہر کی بجائے ولیعہد کی مہر سے جاری ہوتا تھا! اس دوسرے فرمان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ معتوب ہو جانے کے بعد نہ صرف جاگیر و منصب ضبط ہوا بلکہ محتشم خاں کا تمام نقد روپیہ بھی ضبط ہو کر خزانۂ شاہی میں داخل کر لیا گیا! عتاب ۱۰۶۷ھ تک باقی رہا، اور اس زمانہ میں شیخ فرید غالباً شیخو پور میں رہے! ۱۰۶۷ھ میں [۳۸] عتاب فرو ہونے پر دوبارہ منصب

نمبر ۳۸۔ مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰!

و سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار، مقرر ہوا۔

شورشِ شجاع

شیخ فرید کی دوبارہ طلبی۔ اور بلا درخواست و کوشش معافی کی وجہ زیادہ تر یہ بھی نظر آتی ہے کہ جلوس شاہجہانی کے اکتیسویں[۳۱] سال شاہجہاں عارضۂ حبسِ بول میں مبتلا ہوا اور حالت خطرناک حد تک پہنچ گئی۔ خود مختار سلطنت میں یہ ہی وقت خاندانِ شاہی یا ورثائے شاہِ وقت کے لئے غضب کا ہوتا ہے۔ شجاع اور مراد نے اپنے نام خطبہ پڑھوا کر شورش میں پیش قدمی کی اور جمعیتِ عظیم کو لئے ہوئے بہار اور پٹنہ کا رُخ کیا! دارا شکوہ کو ان کے مقابلہ کے لئے پورا لشکر فراہم کرنا پڑا۔ اس وقت جو سردار جہاں اور جس حالت میں بھی تھے۔ بلا کسی خیال کے بلا لئے گئے اور ہر طرح تعداد و طاقت بڑھانے کی انتہائی کوشش مدِ نظر رکھی گئی! گمان غالب ہے کہ شیخ فرید بھی اسی وجہ سے ۱۰۶۷ھ یعنی سنہ ۳۱ جلوس شاہجہانی میں منصب و اعزازِ رفتہ پر واپس طلب کئے گئے[۳۹] اور راجہ

نمبر ۳۹۔ منتخب اللباب خافی خاں جلد دوم صفحہ ۶!

جے سنگھ کے ساتھ شجاع کے مقابلہ پر سلیمان شکوہ
کے لشکر میں مقرر ہوئے! فریقین کی مڈبھیڑ بنارس پر
ہوئی: شجاع تمام کشتیوں اور گھاٹ پر قابض ہوچکا
تھا اور لشکر شاہی کے ہراول سے ڈیڑھ کوس کے
فاصلے پر خیمہ زن تھا! شیخ فرید اور راجہ جے سنگھ
نے راتوں رات، نہایت خاموشی کے ساتھ روانہ ہو کر
طلوع آفتاب سے قبل، شجاع کو محوِ خوابِ خرگوش
اور آلودۂ خمارِ دوشینہ جا لیا! جب تک شجاع تیار
ہوکر میدان جنگ میں آئے کہ میدان ہاتھ سے جا چکا
تھا! سپاہ شجاع سراسیمہ اور بھاگنے میں مصروف
تھی! معاملہ دگرگوں ہوچکا تھا لہذا شجاع بھی بمشکل تمام
ایک کشتی پر سوار ہوکر دریا دریا بھاگا: لشکر شاہی
نے تعاقب کرتے ہوئے پٹنہ تک تسلط کر لیا!
شیخ فرید کو واپسی پر، اُن کی جانبازی کے معاوضہ

میں "اخلاص خان" کا خطاب اور پٹنہ کی
صوبہ داری تفویض ہوئی !

نمبر ۴۰ ۔ مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰ !

(۳)
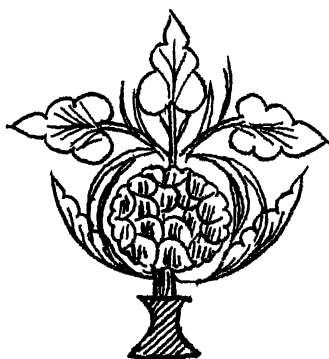
دورِ عالمگیری کے معارک

شیخ فرید کے سامنے سلطنتِ ہندوستان تین مرتبہ مختلف ہاتھوں میں گئی! اکبرِ عرش آشیانی کی وفات کے وقت یہ نادانی کے گہوارہ میں جھولتے تھے: جہانگیر کے انتقال پر ۲۹ ویں سال میں شباب کے زیر سایہ محوِ اظہار شجاعت ولیاقت تھے: اور عالمگیری دور کے آغاز پر اپنی عمر کے ۶۰ سال تجربہ و ترقی مراتب کے نذر کر چکنے کے بعد معزز و تجربہ کار امرا میں سمجھے جانے لگے تھے! تختِ ہندوستان جہانگیر کی آخریں سانس آنے کے لمحہ میں جسقدر خطرے میں تھا اُسی قدر شاہجہاں کے عارضۂ حبس بول کی انتشار پیدا کرنے والی خبر کے وقت

بھی تھا! داراشکوہ شاہجہاں کا سب سے زیادہ پیارا بیٹا تھا لیکن بقیہ تین شاہزادوں کا اسی پیارے ہونے کی وجہ سے مرجع حسد تھا! اس انتشار آمیز خبر کے ساتھ ہی داراشکوہ جو کچھ عرصہ سے عملی طور پر۔ شاہجہاں کی آڑ میں۔ عنانِ سلطنت لئے ہوئے تھا اب کھلّم کھلّا ہر طرح قابض تاج و تخت بن چلا! شاہجہاں کو وہ شاہجہاں آباد سے اکبر آباد لے آیا اور اس کے ساتھ ہی فی الحقیقت دورِ شاہجہانی اُسی جگہ چلا گیا جہاں اکبر تھا! اگرچہ شاہجہاں تھوڑے ہی عرصہ میں پھر دارالحکومت شاہجہان آباد کو واپس آیا لیکن اقبال کے عوض اس مرتبہ نحوست اُس کی عنان گیر تھی! شجاع پر اس خبرِ عارضۂ مہلک نے بہت جلد اور تیز اثر کیا اور وہ داراشکوہ کی طرف چلے! داراشکوہ نے ان ہی کے دفعیہ کے لئے شیخ فرید و جے سنگھ کی سرداری میں وہ فوج روانہ کی تھی جس نے بنارس پر شجاع کو مار بھگایا! سلیمان شکوہ پٹنہ میں تھا، شجاع و مراد بنگالہ سے بارہا پھر باہر سرگرم منصوبات تھے، اور اورنگ زیب دکن

میں تھا اور معظم خاں سا بے نظیر جرنیل اس کے پاس پہنچ چکا تھا!

اورنگ زیب ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک بننے کا عرصے سے ارادہ کر چکا تھا: اس وقت اس نے شجاع و مراد کی عجلت آمیز ناتجربہ کاری کے ساتھ ہی دارا شکوہ کی طاقت کا بھی بہت کچھ اندازہ کر لیا! مہم دکن کو بالائے طاق رکھکر اُس نے اپنی قوت تسخیر کے زور سے مراد کو اپنے ساتھ لیا اور شاہجہاں کی قدمبوسی کے بہانہ سے آگرہ کی طرف چلا! راستہ میں قاسم خاں اور جے سنگھ والی جمعیت کو پراگندہ کرتا ہوا اکبر آباد سے قریب تر ہوتا گیا: دارا شکوہ بھی بڑھا اور ایک ماں جائے دو بھائی سموگڑھ کے میدان پر دست و گریبان ہو گئے! معرکہ بلا کا معرکہ تھا۔ دونوں طرف سے تخت و تاج کے لئے "جاں" بازی تھی! سموگڑھ کا معرکہ ختم ہوا تو دارا شکوہ پنجاب کی طرف آوارہ دشت غربت تھا، شاہجہاں نظر بند تھا، مراد قید سخت میں تھا، اور

اورنگ زیب عالمگیر بنگر دارا شکوہ کے ملک الموت کے قالب میں دہلی ہوتا ہوا لاہور اور ملتان کی جانب سرگرم تعاقب تھا!

شیخ فرید مہم بنارس پر سلیمان شکوہ کے ساتھ تھے اور وہاں سے ہی اخلاص خاں کے خطاب کے ساتھ پٹنہ کی صوبہ داری کی خدمات انجام دینے روانہ ہو گئے تھے۔ مختصر یہ کہ جب وقت عالمگیر دکن سے چلا تھا تو وہ پٹنہ کے صوبہ دار تھے اور اُن کی پوری جمعیت اُن کے ساتھ تھی! معلوم ایسا ہوتا ہے کہ قاسم خاں اور جے سنگھ کا حال ان کے لئے عبرت انگیز ہوا کہ وہ نہایت دور اندیشی اور عقل سلیم کی امداد کے ساتھ پٹنہ کی صوبہ داری پر لات مار کر عالمگیر کے پاس آ حاضر ہوئے اور معرکہ سموگڑھ میں ۱۰۶۸ھ کے رمضان میں عالمگیر کی جانب سے سرگرم پیکار رہے! ان کی اس شرکت کی نسبت کتب تواریخ میں علٰحدہ طور پر تذکرہ نہ سہی مگر

ان کے لڑکے شیخ نظام کے تقرر منصب کا ذکر تو موجود ہے جو اسی مہم کی وجہ سے دربار عالمگیری سے اوّل اوّل "یک ہزار ذات" اور "چہار صد سوار" کے منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ شیخ نظام۔ جو ہمیشہ اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ شریک مہمات رہے۔ تنہا عالمگیری سپاہ میں شریک ہوتے اور شیخ فرید اخلاص خاں بنے آرام سے پٹنہ میں بسا جتے ہوتے!

محاصرۂ الٰہ آباد
سموگڑھ کے معرکے کے بعد سب سے پہلے

دور عالمگیری میں شیخ فرید ۱۰۶۹ھ میں محاصرہ

نمبرا۔ مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰!

الہ باد پر خان[۲] دوراں کی کمک پر دربار عالمگیری سے مقرر ہو کر روانہ ہوئے! اخلاص خاں کا خطاب ان کو دربار شاہجہانی سے کچھ عرصہ ہوا کہ مل چکا تھا مگر دور عالمگیری میں یہ ہی خطاب احمد خویشگی کو عنایت ہو گیا۔ اسی وجہ سے اُن کو اخلاص خاں سے بڑا خطاب عطا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور عالمگیر نے محاصرۂ الہ باد کے تقرر کے وقت "احتشام خاں" کے معزز و ممتاز خطاب سے سرفراز فرمایا! دور عالمگیری کی تمام کتب تواریخ اس

نمبر ۲۔ سید قاسم سادات بارہہ کے ممتاز اشخاص میں سے تھا اور دارا شکوہ نے اس کو قلعہ دار الہ باد مقرر کر دیا تھا۔ عالمگیر نے خان دوراں کو حارس الہ باد مقرر کر کے سید قاسم کے مقابلہ پر روانہ کر دیا۔ قاسم خاں سے عالمگیر کے ناراض ہونے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اس سے پیشتر راجہ جے سنگھ کے ساتھ عالمگیر کے خلاف صف آرا ہو چکا تھا: قاسم خاں نے قلعہ آخر کار حوالہ بھی کیا تو شجاع کے حوالہ کیا اور دارا شکوہ کے اشارہ سے حوالہ کیا۔ دارا شکوہ خود تو پنجاب میں آوارۂ دشتِ غربت تھا لیکن اب شجاع سے ملکِ عالمگیر کی بیخ کنی کے لئے کاغذی گھوڑے دوڑا تا تھا۔ اُسی کی تحریک پر رام داس قلعہ دارِ بنارس، عبدالجلیل بارہہ قلعہ دار چیتاپور، قاسم خاں بارہہ قلعہ دارِ الہ باد، نے اپنے اپنے قلعے شجاع کے حوالے کر دئے (ماخوذ از منتخب اللباب جلد ۲) شیخ فرید بھی اسی محاصرہ میں خان دوراں کی کمک پر اول متعین ہوئے تھے (ملاحظہ ہو عالمگیر نامہ محمد کاظم صفحہ ۱۹۱) (بقیہ نوٹ صفحۂ آئندہ پر)

زمانہ کے بعد سے ان کو محض اعتشام خاں کے نام سے پکارتی!
محاصرۂ الہ آباد میں اعتشام خاں، خان دوراں کے ساتھ برابر سرگرم پیکار رہے اور قاسم خاں محصور ہو کر مقابلہ پر تُلا رہا۔ کئی مہینے تک یہ محاصرہ برابر جاری رہا اور شجاع کے بنارس پہنچنے پر اس کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ قاسم خاں نے قلعہ شجاع کے حوالہ کر دیا اور عالمگیر نے محاصرین کو واپس بُلا کہ شجاع کے مقابلہ کے لئے ذوالفقار خاں اور شاہزادہ محمد سلطان کی جمعیت کے ساتھ مقرر کیا! اسی موقعہ پر اعتشام خاں کے عہدۂ سابقہ میں ترقی دی گئی اور منصب "چہار ہزار ذات وسہ ہزار سوار" مقرر ہوا۔

معرکۂ شجاع شجاع نے بنارس سے رقم کثیر[۱] نقدی کے ساتھ حاصل کر لی تھی اور پوری طاقت لئے ہوئے عالمگیر کی بیخ کنی پر آمادہ تھا: عالمگیر خود بہ نفس نفیس نوے ہزار کی جمعیت لیکر محمد سلطان کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۶) نمبر ۳۔ مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰!
نمبر ۴۔ عالمگیر نامہ محمد کاظم صفحہ ۲۱۵!

لشکر سے آملا: جانبین اُس زمانہ کے فنِ حرب سے واقف تھے، ترتیب عساکر نہایت اصول اور لیاقت کے ساتھ عمل میں آئی! عالمگیر نے جب ترتیب عساکر پر توجہ کی تو سلطان محمد کی کل جمعیت کو ہراول میں قایم کیا، اور اسی ترتیب کی رو سے اعتشام خاں طرحِ فوج یا ہراول میں متعین ہوئے! ۱۷۔ ربیع الثانی ۱۰۶۹ھ اس معرکہ عظیم کے آغاز کا پہلا دن تھا جو تمام تر گولہ باری و بان اندازی میں صرف ہوا: رات ہوئی جب بھی تمام امرا گھوڑوں پر سوار حکم شاہی کے منتظر رہے: معظم خاں رات بھر توپ خانہ کو ہٹا کر نئی جگہ قایم کرنے میں کوشاں رہا: تین گھڑی رات باقی تھی کہ راجہ جسونت

نمبر ۵۔ عالمگیر کی ترتیب مختصراً یہ تھی:۔ شاہزادہ محمد سلطان معہ دیگر امرا ہراول میں: ذوالفقار خاں مقدمۃ الجیش میں: شاہزادہ محمد معظم معہ دیگر امرا جرنغار میں، راجہ جسونت برنغار میں: اعتشام خاں اور اسلام خاں طرحِ فوج میں: میر جملہ معظم خاں عالمگیر کے قریب قلب میں: چند امرا شاہزادوں کے راست و چپ بطور محافظ: اور بقیہ سردار عقب توپ خانہ! (ملاحظہ ہو عالمگیر نامہ صفحہ ۲۴۶ - نیز منتخب اللباب جلد دوم صفحہ ۴۸)

جو غداری کے طور پر ساتھ تھا منافق راجپوت سرداروں کو لئے ہوئے شجاع کے ایماء سے شب خون مارتا اور لوٹ مار کرتا نکل پڑا؛ ایک عجیب شور و غل تمام فوج میں یکایک برپا ہو گیا، منافق راجپوت شاہزادہ محمد سلطان کے خیمہ و مال و اسباب کو لوٹتے ہر مقابلہ کرنے والے کو کاٹتے چھانٹتے عالمگیری سپاہ سے جدا ہو کر شاہ شجاع سے جا ملے؛ بہت بڑی جمعیت تو شجاع کے ساتھ رہ گئی اور تھوڑے راجپوت جسونت کے ساتھ آگرہ کی طرف بھاگ گئے! عالمگیر اس اچانک آفت سے پریشان تو ضرور ہوا مگر اس کے استقلال و ہمت نے مطلق بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا؛ اکثر بزدل یا مذبذب طبیعت والے امراء جی چھوڑ کر رات کی سیاہی میں علیحدہ ہو گئے! احتشام خاں ان متعدد جانباز سرداروں میں سے تھے جو عالمگیر کے پہلو میں سے نکل جانے پر مر جانے کو ترجیح دیتے تھے! عالمگیر نے بقیہ افواج کی ترتیب دی تو میر جملہ معظم خاں کو سرعسکر بنایا، اسلام خاں کو جسونت کی جگہ مقرر کیا اور احتشام خاں کو ان کی پہلی ہی جگہ پر ہراول میں رکھا؛ جنگ پھر دوبارہ

شروع ہوئی، پھر بان اندازی و گولہ باری چھڑی، شجاع کی سپاہ جسونت کی غدّاری سے دلیر ہوگئی تھی، سید عالم بارہہ نے تین مست ہاتھیوں کو ریلتے ہوئے سپاہِ عالمگیری کے جرنغار پر حملہ کیا! مست ہاتھیوں کا حملہ اُس زمانہ کے اسلحہ کے لحاظ سے نہایت سخت چیز تھی: اس آفت ناگہانی سے بہت کچھ فتور واقع ہوا: عالمگیر نے خود نہایت دلیری کے ساتھ اس آفت کو دفع کرنے کے لئے اپنا ہاتھی آگے بڑھایا: ابھی جرنغار کی سپاہ سے یہ آفت پوری طرح دفع نہیں ہوئی تھی کہ بلند اختر پسر شجاع نے پوری طاقت کے ساتھ برنغار پر حملہ کر دیا اور اب نہایت نازک وقت آگیا! اسلام خاں سردار برنغار صدمۂ بان سے زخمی ہو کر گرے اور تمام برنغار میں لغزش آچلی! اس نازک وقت میں ہراول کا پائے ثبات قطعی نہیں ڈگمگایا اور یہی وہ حصہ تھا جس نے ایسے انتشار میں سینہ سپر رہ کر تمام معرکہ کو سنبھال لیا۔ اسی حصّہ کے سردار احتشام خاں تھے اور آخر تک سرفروشی میں نہایت دلیر رہے! عالمگیر برابر برنغار کے انتشار کو اپنے احکامات سے رفع کر رہا تھا اور ہراول کی داد دے رہا تھا: معظم خاں نے

گولہ باری میں ایسا انہماک اور کوشش ظاہر کی کہ پے پر پے سچّے نشانوں نے شجاع کی سپاہ کو بہت کچھ سراسیمہ کر دیا! عالمگیر موقعہ پاتے ہی برنغار کی طرف آیا اور تمام برنغار نے بڑھکر حملۂ مدافعانہ کر دیا۔ بلند اختر پسپا ہو کر شجاع کے پاس پہنچا، عالمگیر فنِ حرب کا ماہر تھا، وقت کو جانچتے ہی حملہ پر تُل پڑا، تمام سپاہ۔ اور سب کے آگے ہراول۔ قلبِ شجاع پر ٹوٹ پڑا! جنگ مغلوبہ نے دشمنوں کو مغلوب کر دیا۔ مکرم خاں صفوی، عبدالرحمٰن خاں، اور سنجر بیگ شجاع سے الگ ہو کر عالمگیر کے سایہ میں آگئے۔ انتشار پھیل چکا تھا، دل نے بھی جواب دیا؛ قدم اُکھڑے اور شجاع پسماندہ سپاہ کو لیکر بھاگا! عالمگیر دارا شکوہ کی طرح شجاع کا بھی پوری طرح استیصال کرنا چاہتا تھا: مہلت دینی خلافِ اصول جنگ تھی، فوراً ہی اس نے کھجوہ کے قیام کے زمانہ میں ایک زبردست لشکر محمد سلطان کے ساتھ کیا اور میر جملہ معظم خاں کو سرعسا کر بناکر شجاع کے تعاقب پر روانہ کیا! اس مہمِ عظیم پر متعیّن ہونے والے سرداروں میں احتشام خاں بھی تھے جن کو ۲۷ - ربیع الثانی کو - دیگر امراء

نمبر ۷ - عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۲۶۹ !

کے ساتھ، تلوار، اسپ، خنجر اور خلعت سے سرفراز فرما کر رخصت کیا!

تعاقب و مہم بنگالہ

شجاع الہ باد سے چلا تو گنگا کے کنارے کنارے چلا۔ لشکر عالمگیری شجاع کے پیچھے پیچھے محمد سلطان کے ساتھ سرگرم تعاقب تھا! الہ باد سے بہادر پور۔ بہادر پور سے پٹنہ اور پٹنہ سے مونگیر۔ کسی جگہ شجاع کو دم لیکر ساز و سامان کا انتظام کرنے کی مہلت نہ ملی! مونگیر اور اس کے بعد رنگامائی، دونوں مقامات ایسے تھے کہ ان کی مستحکم جائے وقوع کی بدولت

نمبر ۸۔ مونگیر کے ایک طرف گنگا بہتی تھی۔ دوسری طرف پہاڑ حفاظت کرتا تھا۔ اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کو افغان بادشاہوں نے اپنے زمانہ میں ایک سنگین فصیل بنا کر ناقابل عبور بنا دیا تھا! رنگامائی نے بھی قریب قریب ایسی ہی جائے وقوع پائی تھی! مونگیر میں ایک راستہ کھڑکپور ہو کر آتا تھا جو ان دشواریوں سے پاک تھا اور رنگامائی کے لئے موضع بیر بھوم کے قریب والا راستہ اصلی چیز تھا! راجہ بہروز زمیندار کھڑکپور شجاع کا حامی بنکر محافظ راہ تھا لیکن لشکر شاہی کے پہنچتے ہی مطیع ہو گیا: علی ہذا خواجہ کمال افغان زمیندار جاٹ نگر بیر بھوم پر متعین تھا شاہزادہ کے پہنچتے ہی وہ بھی شجاع کی رفاقت سے ہاتھ دھو بیٹھا: دونوں جگہ راستہ بلا مقابل مل گیا اور دونوں جگہ شجاع نے اپنی خوش اعتقادی سے (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

لشکر شاہی کو اچھی خاصی کوشش کرنی پڑی : مگر اقبال عالمگیری نے راجہ بہروز زمیندار کھرکھپور اور خواجہ کمال افغان زمیندار چاٹ نگر کو بلا کسی مقابلہ کے حلقہ بگوشِ اطاعت بنا دیا اور شجاع کو رنگا ماٹی بھی چھوڑنی پڑی! اکبر نگر پہنچ کر شجاع نے دریا کو عبور کیا اور دوگاچی ۔ یا دوگاچھی ۔ سے لیکر باقر پور تک استحکامات تیار کئے، مورچے بنائے، اور اچھی طرح مقابلہ کے لئے کیل کانٹے سے درست ہوگیا! رجب ۱۰۶۹ھ میں لشکر شاہی بھی اکبر نگر سے دوگاچی جا پہنچا: دوگاچی اور باقر پور کے درمیان میں دریا کے اندر ایک ٹیلہ تھا جس کو شجاع نے مورچہ مرتفع بنا رکھا تھا! ایک رات کو لشکر شاہی کی بڑی جمعیت خاموشی کے ساتھ اس ٹیلہ پر جا اتری ۔ مقابلہ ایک شب و روز جاری رہا ۔ پوری پامردی و شجاعت کے بعد یہ عمدہ موقعہ ہاتھ آگیا ۔ اکبر نگر اور دوگاچی کے پاس دریا کا پاٹ بہت بڑا تھا : معظم خاں ہمہ جملہ تھوڑی جمعیت لیکر خود تو اکبر نگر سے چودہ کوس کے فاصلہ پر جہانگیر نگر کے قریب مورچہ زن ہوا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۲) دھوکا کھایا (عالمگیر نامہ صفحہ ۴۹۲ ۔ ۵۰۰)

اور بقیہ لشکر شاہزادہ محمد سلطان کے پاس اکبر نگر میں چھوڑ گیا! اسشیخ فرید احتشام خاں شاہزادہ کے ساتھ اکبر نگر میں رہے! جہانگیر نگر کے قریب فوج دوسری طرف اُتارنے کی کوشش دو مرتبہ کی گئی لیکن کامیابی ہنوز نصیب نہ ہوئی تھی کہ برسات آگئی۔ دریائے گنگا نے دن دونی رات چوگنی ترقی کر کے تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا!

اب[۹] برسات بھر کوئی فیصلہ کن کارروائی ناممکن تھی! میر جملہ جہانگیر نگر میں، شاہزادہ محمد سلطان اکبر نگر میں، اور شجاع دریا کے دوسری طرف ٹانڈہ میں برسات کی وجہ سے مجبور خیمہ زن تھے۔ دریائے گنگا فریقین کے درمیان میں لہریں مار رہا تھا! محمد سلطان ناتجربہ کار بھی تھا اور نوجوان بھی: شجاع کی لڑکی سے کسی زمانہ میں منسوب بھی ہو چکا تھا اور اب میر جملہ کی سرداری بھی اُسے شاق تھی! شجاع کو شاہزادہ کی طبع مکدّر کا بھی علم تھا اور اپنی صاحبزادی سے مواانست ہونے کا بھی: وہ تھا ایک ہی گرگِ باراں دیدہ برسات کو غنیمت

نمبر ۹۔ منتخب اللباب خافی خاں جلد دوم صفحہ ۹۰ و ۱۰۰ !!

سمجھکر ریشہ دوانی سے نہ چوکا! شجاع کی صاحبزادی کا انچھر شاہزادہ پر چلا۔ امیر قلی اور قاسم علی کے توڑ جوڑ اس حد تک کارگر ہوئے کہ محمد سلطان ایک رات کو کشتی میں سوار ہو، چپ چاپ دوسری طرف جا اُترا اور شجاع سے مل گیا! اس واقعہ نے شاہزادہ کی فوج میں ہلچل ڈالدی۔ بعض بعض امرا شاہزادہ کے ساتھ دوسری طرف اُتر گئے اور اکثر بددل ہوکر اپنے اپنے وطن واپس چلدئے! میر جملہ کو خبر ملی تو وہ ماہئ بے قرار کی طرح سوتی سے اکبر نگر پہنچا اور دل شکستہ سپاہ کی ہمّت بڑھاتا رہا! اس میں شک نہیں کہ میر جملہ اور اُس کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے چند سردار ہی وہ نفوس تھے جن کی پامردی نے سلطنت عالمگیری کی از سرِ نو بنیاد ڈالی ورنہ معاملہ قطعی دگرگوں ہو چکا تھا اور شجاع کا پلّہ ہر طرح بھاری تھا! اکبر نگر میر جملہ کے ہاتھ سے نکل گیا، بہت دور تک پسماندہ لشکر پسپا ہو گیا، لیکن میر جملہ اور اس کے سرداروں نے۔ جن میں احتشام خاں بھی تھے۔ نہ منہ موڑا! نہ ہمّت چھوڑی! عالمگیر نے خبر پاتے ہی داؤد خاں اور دلیر خاں کی کمک فوراً روانہ کی اور اب پھر لشکر شاہی کے پاؤں جمنے لگے! برسات کا پورا موسم اسی ردوکد میں بسر ہوا

مہینہ بھر تک حملے اور جوابی حملے ہوتے رہتے ہیں۔ فتح فریقین کے درمیان میں تقدیرِ معلّق کی طرح بنی رہی! کومک کے پہنچتے ہی لشکرِ شاہی نے اکبر نگر لیا، کھوئے ہوئے مورچے لئے، اور آئے دن تمام سحر زیر و زبر کرنے شروع کر دیئے! برسات کے اختتام کے ساتھ اقبالِ شجاع کا خاتمہ نظر آنے لگا! محمد سلطان محوِ عروسِ نو، غرقِ لذتِ وصال، رہا اور کافی عرصہ تک رہا! مگر برسات کا مطلع صاف ہوتے ہی آنکھ کھلی تو معاملہ دگرگوں نظر آیا۔ انجام بُرا تھا اور بُرا ہی سوجھنے لگا! اسلام خاں کو اشارہ کیا اور خاموشی سے ایک روز جیسا گیا تھا ویسا ہی واپس آگیا! شجاع کی ہمّت ٹوٹ گئی۔ میدان تنگ ہوا، شکست ہی شکست نظر آنے لگی! لشکرِ شاہی نے نہایت بہادری کے ساتھ دریا کو عبور کیا اور ماندہ سپاہ کو آگے دھر لیا! شجاع کا پاؤں اُکھڑا اور وہ بھاگا!

عالمگیر کی سخت گیر پالیسی ممکن نہ تھا کہ شاہزادہ کو کورا چھوڑ دیتی! محمد سلطان حکمِ عالمگیری کے بموجب فدائی خاں کی حراست میں روانۂ بارگاہِ عالم پناہ کیا گیا: محمد سلطان قلعہ سلیم گڑھ میں مقیّد ہوا۔ ارادت خاں، امیر قلی اور قاسم علی اپنی شرارت

کی نذر ہوئے!

گوشہ گزینی

محمد سلطان کی ناعاقبت اندیشی کی پاداش جو کچھ اُس نے اور اُس کے افترا پردازوں نے بھگتی وہ تو ظاہر ہے، لیکن اس واقعہ کے بعد سے محمد سلطان کے ساتھ متعیّن ہونے والے تمام امرار میر جملہ کی عینک سے مشکوک نظر آنے لگے! اسی وجہ سے شیخ فرید احتشام خاں بد دل ہو گئے اور اکبر نگر، جہانگیر نگر اور ٹانڈہ کی فتوحات کے بعد خدمتِ تاج و تخت سے دست کش ہو گئے! کتب تواریخ مطبوعہ اس عارضی علیٰحدگی کا اشارتاً بھی ذکر نہیں کرتیں اور اس لئے پتہ نہیں چلتا کہ کس مہینے اور سنہ میں وہ دست کش ہوئے! قلمی تواریخ میں اس علیٰحدگی کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن یہ غلطی کی ہے کہ اس علیٰحدگی کو مستقل استعفائ بنا دیا ہے حالانکہ آیندہ کے واقعات مستند کتب تواریخ میں پھر ان کو سرگرمِ خدماتِ سرفروشی بتاتے ہیں!

یہ مسلمہ ہی کہ گوشہ گزینی کے زمانہ میں وہ شیخو پور میں رہے اور خاموش رہے! اس دست کشی کی مدّت کم و بیش ایک سال نظر آتی ہے! فی الحقیقت نہ تو احتشام خاں معتوب

ہوئے تھے اور نہ مشکوک سمجھے جانے کے قابل تھے؛ دست کشی ان کی اپنی طبیعت کی احتیاط اور خودداری تھی: ایک سال کے اندر کئی مرتبہ اُن کی طلبی ہوئی لیکن ہر مرتبہ غالباً انھوں نے کچھ نہ کچھ عذر کیا۔ بالآخر عالمگیر نے تاج خاں کے ہمدست ایک شقہ روانہ کیا جس کی عبارتِ معنی خیز کا ایک ایک لفظ بجائے خود قابل ملاحظہ و غور ہے:-

"مشیخت پناہ۔ رفعت و نجابت دستگاہ۔
نتیجۃ الاکابر، خلف الاماجد۔ فرزندی اعزی
شیخ فرید در پناہِ خدا بودہ بعافیت باشند۔
بعد از سلامِ عافیت فرجام معلوم آنفرزند بودہ
باشد کہ ہنوز وقتِ آں نرسیدہ کہ ترکِ
منصب دنیا کردہ گوشہ نشینی اختیار نمایند۔

نمبر ۱۔ یہ فرمان تمام فرامین سے زیادہ وقیع اور بیش بہا چیز ہے! عالمگیری ہونے کی حیثیت سے بھی، "پرمعنی و وزنی ہونے کی وجہ سے بھی"، اور سب سے زیادہ اس لحاظ سے کہ اس پر عالمگیر کے قلم کی چند مُحرَّف سطریں عجیب قابل قدر تبرک موجود ہے! اس شقۂ اصلی کے قبضہ کا فخر بھی خان بہادر حکیم رضی الدین احمد خاں صاحب شفاء الملک کو حاصل ہے جنھوں نے دربار (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

ہر کس شمارا باین طریق ترغیب دادہ دانستہ
باشید کہ دوستی نہ کردہ است۔ چہ معنی دارد
کہ شما از خانہ زادانِ خوبِ این درگاہِ آسمان
جاہ بودہ باشید۔ درین وقت کہ اول جوانی
و روز تردد و کار طلبی شماست خود را بر کیا بیدہ
گوشہ گیرند۔ عزت آثار تاج خاں را بخدمت
شما فرستادہ کہ شمارا بنصائح دلپذیر ازین ارادہ
باز آوردہ باشما بحضور آید۔ اللہ! اللہ! گفتۂ
او را گفتۂ اینجانب دانستہ بہبود و خیریت
خود را منظور داشتہ بزودی خود را بحضور رسانند
کہ در اشفاق و مہربانی انشاء اللہ تعالےٰ دقیقہ
نامرعی نخواہد ماند و خاطر اینجانب را بغایۃ الغایۃ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۸) شاہنشاہ معظم جارج پنجم کے موقعہ پر اشیائے قدیم کی نمائش میں اس شقہ کو رکھا تھا اور عالمگیر کے خط و قلم کا نمونہ نادر ہونے کی وجہ سے عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا! افتخار الملک صاحب کو اس نادر بیش بہا چیز پر جسقدر فخر ہو بجا ہے! میں اُن کی عنایت و احسان سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے شقہ کی نقل دینے میں فراخ حوصلگی سے کام لیا! جوش!

متوجہ انتظامِ احوالِ خیر مآل خود دانند۔ زیادہ
چہ نویسد۔ توفیقِ رفیق باد۔ ۸ آبان ۷۳؁ھ
نوشتہ شد!!!

اس شقہ کی پشت پر آصفجاں کی مہر ہے۔ اور حاشیہ پر خود
شاہنشاہ عالمگیر کے قلم کی چند سطریں بطورِ محرّف درج ہیں جو
اس شقہ کی وقعت کو دوبالا کرنے کے ساتھ حکم طلبی کو نہایت
زوردار بنا دیتی ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

"اقبال آثارا۔ اصلاً مطلب ایشاں ازیں
ارادۂ نامعقول کہ پیش گرفتہ معلوم نشد۔ اگر از
ملاحظہ نامہربانی اینجانب است خطائے
محض است۔ ما دریں مدت اقتدار و اعتبار
بکدام دشمن خود در مقامِ انتقام شدہ ایم کہ
بہ نسبت آں فرزند بے اعتنائی مے نمودہ باشم
و تقصیرے کہ از آں فرزند بظہور رسیدہ کدام
است کہ ایں ہمہ واہمہ بخاطر راہ میدہند؟
زینہار از ہیچ ممرِ چیزے بخاطر نرسانیدہ بزودی
روانۂ درگاہِ خلایق پناہ گردند۔ زیادہ چہ

نویسد۔ العافیہ بالعافیہ۔ والسلام۔"

عالمگیر جیسے شاہنشاہِ ہندوستان کا شقہ تاج خاں کے ہمدست۔ اور اس سب پر طرّہ وہ چند محرّف سطریں جو عالمگیر کی ہمہ گیر لیاقتِ فرمانفرمائی کا نہایت مختصر نمونہ ہیں۔ ایسی معمولی چیز نہ تھیں کہ احتشام خاں کوکشاں کشاں نہ بلا لیتیں۔ شقہ کے الفاظ "اللہ! اللہ! گفتۂ اور اگفتۂ اینجانب دانستہ بہبود وخیریتِ خود را منظور داشتہ" کیسے وقیع اور تحکم آمیز ہیں۔ خود مختار عالمگیر کے شقہ میں یہ چند الفاظ شاہجہانی فرامین کی چند سطروں سے زیادہ خایف کن ہیں: لیکن عالمگیر اس زوردار جملہ کو اپنے قلم کی چند سطروں میں "تقصیرے کہ از آں فرزند رسیدہ کدام ست کہ ایں ہمہ وا ہمہ بخاطر راہ مید ہند؟" کے ملایم الفاظ سے، اور "اقبال آثارا" اور "فرزند" کے محبت آمیز خطابات سے، کس خوبصورتی ولیاقتِ تحریر کے ساتھ سمو دیتا ہے! جو کچھ بھی ہو شیخ فرید اس شقہ معنی لبریز کے بعد فوراً ہی واپس گئے اور ضرور گئے! شقہ مذکور سنہ ۴ جلوس عالمگیری کا ہے اور کتب تواریخ کی رو سے ۱۰۷۲ھ میں یعنی سنہ ۴ جلوس عالمگیری میں۔ ۱۸۔ ربیع الاول کو معظم خاں

میر جملہ دو ثلث فوج لیکر مہم آسام پر چلا اور ایک ثلث فوج مفتوحہ علاقہ جات کی حفاظت کے لئے چھوڑ دی گئی تو احتشام خاں بھی محافظ مقرر ہوئے!

محافظت جہانگیر نگر

سنہ ۴ جلوس عالمگیری میں شقۂ مذکور احتشام خاں کو ملا اور سنہ ۴ جلوس ہی میں اُن کا تقرر بطورِ محافظِ جہانگیر نگر ہوا: وہ شقہ کے بعد ہی واپس گئے اور واپس جاتے ہی ان کا تقرر بطورِ محافظِ جہانگیر نگر ہوا۔ ہوا اور غالباً شقہ کے آخری جملہ "خاطر اینجانب از الغایۃ الغایہ متوجہ انتظامِ احوال خیر مآل خود دانند" کے ثبوت میں ہوا۔ جہانگیر بنگالہ کا ایسا زبردست مقام تھا جس کی مقامی اہمیّت اس کو خاص طور پر محفوظ رکھنے کی حاجت ظاہر کرتی تھی۔ جہانگیر نگر اور اُس کے گرد و نواح کی سرزمین۔ مملکت بنگالہ کی ساز و سامانِ فوجی کی مرکز تھی۔ قریب قریب ہر حصہ ملک کی شاہراہیں اس نواح سے گذرتی تھیں! احتشام خاں کا تقرر[11] خود عالمگیر کے حکمِ اعلیٰ سے

نمبر ۱۱۔ عالمگیر نامہ محمد کاظم صفحہ ۶۸۳ !

ہوا تھا اور اختصاص خاں، راجہ امر سنگھ نروری معہ دیگر منصب داران احتشام خاں کے تحت میں بطور جماعت کومکیاں مقرر ہوئے تھے! احتشام خاں جہانگیر نگر سے۔ فتوحات بنگالہ و آسام کی تکمیل پر سنہ ۶ جلوس[۱۲] عالمگیری میں واپس آکر ۲۲ شعبان کو دولت اندوز زیارت بادشاہی ہوئے! اس مہم عظیم کی جانفشانی کے صلہ میں سنہ ۷ جلوس[۱۳] میں ان کے منصب سابقہ میں "پانصد سوار" کا اضافہ ہوا اور ایک بیش بہا گھوڑا طویلہ[۱۴] خاص سے عنایت ہوکر جاگیر کی طرف جانے کی اجازت ملی!!

مہم دکن

سیواجی کا نام عالمگیری کے زمانہ کے تمام فساد و شورش میں اس درجہ مشہور ہے کہ کسی معمولی سے تعارف کی بھی حاجت نہیں: سیواجی کی داستان تمام مستند کتب تواریخ میں بھری پڑی ہے! سیوا سلنے اور اس کے مورث ساہو نے

نمبر ۱۲ - عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۵۳!
نمبر ۱۳ - عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۵۵!
نمبر ۱۴ - عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۵۸!

شاہجہاں کی زندگی ہی میں بغاوت وشورش پر کھُلّم کھُلّا کمر باندھ لی تھی: عالمگیر کے تخت نشین ہوتے ہی سیواجی کے خللِ دماغ میں ضرورت سے زیادہ زیادتی ہوگئی اور تختِ ہندوستان کا خواب اُسے اُٹھتے بیٹھتے نظر آنے لگا! جب اس کے مظالم، آزاردہی، اور کج روی کی داستان روزافزوں ترقی کرنے لگی تو عالمگیر بھی اُس کے انسداد کی طرف مجبوراً متوجہ ہوا۔ جو انتظامات کئے گئے اُن میں راجہ جسونت سنگھ کا تقرر بھی تھا۔ جسونت سنگھ کی بغاوت کا قصور معاف ہوکر عالمگیری حکم سے اُس کا تقرر دکن کے کل قلعوں کی فتوحات اور سیواجی کی سرزنش کے لیئے ہوا تھا۔ لیکن عرصہ دراز تک جسونت نہ کوئی قلعہ فتح کرسکے اور نہ سیواجی کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کرسکے! ساتھ ہی ساتھ جسونت پر پوشیدہ سازش کا بھی گمان ہوچلا۔ عالمگیر نے اسی وجہ سے جسونت کو واپس آنے کا حکم دیا اور جے سنگھ کو ان کے بجائے مہم دکن پر معہ احتشام خاں کے روانہ کیا! احتشام خاں پورے

نمبر ۱۵- عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۶۸!

ایک سال بھی اپنے وطن میں آرام نہ لے سکے تھے کہ جے سنگھ کی کومک پر متعین ہوئے اور اس تقرر کے وقت فرمان کے ساتھ خلعت گراں بہا بطور مراحم خسروانہ اُن کو بھیجا گیا: فرمان صادر ہوتے ہی احتشام خاں مہم دکن پر روانہ ہو گئے! لشکر شاہی اورنگ آباد شاہزادہ معظّم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوا پونا پہنچا! جسونت سنگھ واپس ہوا اور جے سنگھ و شیخ فرید اسی جگہ سیواجی سے مشغول پیکار ہوئے! جیز نادر کی اور دیگر تھانوں کے استحکامات کی ضرورت تھی اور ان سب میں چوڑی کی جگہ پونا تھا۔ پونا کا قلعہ سب قلعوں سے زیادہ قابل لحاظ جیز اور مضبوط جگہ تھا! ۷۔ رمضان ۸ سنہ جلوس عالمگیری کو جب جے سنگھ قلعہ ساسور کی طرف چلا تو احتشام خاں پونا کی حفاظت و استحکامات کے لئے تھانہ دار پونا مقرر ہوئے اور رندولہ خاں، بیرم دیو سیسودیہ، زاہد خاں، جاں نثار خاں، خواجہ ابو المکارم، چار ہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ احتشام کے تحت میں چھوڑے گئے! پونا کی تھانہ داری کی معزز

نمبر ۱۶۔ عالمگیر نامہ مرزا محمد کاظم صفحہ ۸۷۱!

ا ور اس قلعہ کی حفاظت کی اہم ذمہ داری احتشام خاں
آخری خدمت تھی کیونکہ اسی سال ۵ شہ جلوس عالمگیری
طابق ۱۰۷۵ھ ۱۶۶۴ع میں پونا ہی میں احتشام خاں عالم فانی
ے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے! انا للہ و انا الیہ
اجعون ٥

کُل زندگی پر ایک نظر

دیکھو تو دلفریبیٔ اندازِ نقشِ پا!
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی!!

نواب فرید سنہ ۱۰۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۰۷۵ھ میں انتقال کر گئے۔ عرش آشیانی جلال الدین اکبر کی سلطنت کے اختتام میں کم و بیش ۵ سال باقی تھے جب ان کی روح کالبدِ خاکی میں مقید ہوئی اور شاہنشاہ محی الدین عالمگیر اورنگ زیب کو تختِ ہندوستان پر جلوہ افروز ہوئے قریب قریب ۸ سال گذر چکے تھے جب وہ روحِ مقید پھر آزاد ہو کر عالمِ بقا کو پرواز کر گئی! گویا اس روح کی قیدِ جسمانی کی مدت۔ یا دوسرے الفاظ میں احتشام خاں کی عمر تقریباً ۶۷ سال ہوئی! سنہ ۱۰۲۳ھ سے وہ خدمتِ تاج و تخت میں مصروف ہوئے اور آخری سانس آنے تک برابر جاں نثاری پر کمر بستہ رہے! یعنی ۶۷ سال کی عمر میں سے ۵۲ سال کی مدت

سرفروشی کی خدمات کے نذر ہوئی!

عقل و بصیرت کی آنکھ عمر کے ساتھ جسقدر کھلتی گئی اسیقدر ان کو نظر آتا گیا کہ نواب قطب الدین خاں جیسا باپ نمک حلالی کے اظہار میں سر سے اُٹھ گیا تھا۔ کشور خاں جیسا بھائی نورجہاں کی فطرت کے نذر ہو چکا تھا۔ اور ان کو جو کچھ کرنا تھا خود کرنا تھا اور بلا سرپرستی و امداد کرنا تھا! تاریخ عالم کے اوراق شاہد ہیں کہ دنیا کے سربرآوردہ حضرات جن کا نام زندہ جاوید ہے ایسی ہی بیکسی کے عالم میں ہوش سنبھال کر اپنی قوت بازو پر اعتماد کرنے اور اپنی ہی ٹانگوں کے بل کھڑے ہونے کے عامل ہوئے۔ عامل ہوئے اور اس عمل کی بدولت حیات کش مکش آمیز کے جدّ و جہد میں آخر وقت تک مستقل، کامران اور فتحمند رہے! ہر کلیز کی طرح اپنی زندگی کی گاڑی کے دھکیلنے کے لئے اپنا ہی کندھا لگانے پر مجبور تھے اور اس مجبوری کی بدولت سب کچھ خود ہی کرتے رہے اور کامیابی کے ساتھ کرتے رہے!

اوائل عمر میں قلعہ کی زندگی اور مکتب شاہی کا درس، شاہزادوں کی صحبت اور آصف خاں کی اتالیقی، یہ سب چیزیں قسمت نے

مہیّا کیں، لیکن گردوپیش کی حالت سے پورا پورا متمتع حاصل کر لینے کی صلاحیت ان کی طبیعت نے دکھائی! قدرت نے جو دماغ ودیعت کیا تھا اُس کو صحیح رکھنے اور صحیح طور پر استعمال کرلنے کا سہرا ان کے سر رہا!

انتظامی قابلیت

شیخ فرید کی اور خصوصیات میں سب سے زیادہ ممتاز جو بات نظر آتی ہے وہ انتظامی قابلیت ہے! انتظامی قابلیت ایک ایسی چیز ہے جس کے۔ مرتبہ اور فرائض کے لحاظ سے۔ دو حصّے اعلےٰ و ادنےٰ کیئے جا سکتے ہیں! ادنےٰ کے لئے کارکنی اور اعلےٰ کے لئے کارفرمائی زیادہ موزوں الفاظ ہو سکتے ہیں! کارکُن اور کارفرما میں وہی فرق ہے جو ایک سپاہی اور ایک سردار سپاہ میں، یا ایک کام کرنے والے اور ایک کام لینے والے میں ہوتا ہے! یہ دونوں باتیں فی الحقیقت علیحدہ علیحدہ چیزیں چیزیں ہیں! ہر جانباز سپاہی اعلیٰ درجہ کا جنرل نہیں بن سکتا! کارفرمائی کی قابلیت بذات خود ایک خاص چیز ہے اور تجربہ و تعلیم اس قابلیت کو عدم محض سے وجود میں نہیں لا سکتا!

شیخ فرید کو اپنی اس قابلیت کے اظہار کا موقعہ ۹۳۰ھ میں ملا جب وہ ناظم بداؤں مقرر ہوئے! ایک ہزار محال والی سرکار بداؤں پر بائیس سال کے نوجوان کا عامل مقرر ہونا۔ ایک ایسی بات تھی جس سے یقین ہوتا ہے کہ لیاقت شخصی کو جانچ لینے والے دماغ نے اُن کی اس غیر معمولی قابلیت کی جھلک کو اسی عمر میں دیکھ لیا تھا: پانچ سال تک اس نوجوان شخص نے عملی طور پر اُس قیاس کو صحیح ثابت کر دکھایا! ان کے زمانۂ نظامت میں سرکار بداؤں میں امن وسکوت اُس پُر آشوب زمانہ میں قایم رہنا انکی قابلیت کارفرمائی کا ایک زندہ پہلو ہے جس کے بعد اور کسی استدلال عقلی کی حاجت نہیں رہتی! ان کے والد ماجد کے نظامت بدایوں میں فساد کا ہونا اور رفع فساد کے لیئے کانٹھ اور گولا کے ماتحت عمّال کا کمک کے طور پر آنا تاریخ میں نظر آتا ہے لیکن احتشام خاں کی مدتِ نظامت بلا کسی فساد و شورش، بدنظمی و بدعملی، کے نہایت کامیابی کے ساتھ گذری!

جنرل کی حیثیت سے

نواب فرید کی تمامتر خدمات نظامتِ بدایوں اور چند اور عارضی انتظامات کے علاوہ فوجی

تھیں اور اسی میں ان کی عمر کا بیش بہا حصہ صرف ہوا سپاہی
کی حیثیت سے نہ کوئی اُن کا تذکرہ کہیں نظر آتا ہے اور نہ غالباً
وہ کوئی عمدہ سپاہی ثابت ہوئے! مثلاً جس طرح ان ہی کے عزیز
شیخ کبیر رستم زماں خاں، عثمان خاں افغان کے مقابلہ میں
سپاہیانہ طور پر بے نظیر ثابت ہوئے تھے شیخ فرید
اس طرح کبھی ممتاز نہیں ہوئے! البتہ جنرل کی حیثیت سے۔
سردار کی صورت میں۔ ان کا نام نہایت جلی الفاظ میں نظر
آتا ہے! تسخیر سنگمنیر میں سب سے پہلے ماتحتی کی حیثیت سے
جدا ہو کر اُنھیں ذمہ داری اُٹھانے اور اپنی قابلیت دکھانے
کا موقعہ ملا۔ پہلے ہی موقعہ پر جس خوبی کے ساتھ انھوں نے
ناسک اور اُس کی نواح کو باغیوں سے صاف کر دیا اُسی کی
وجہ سے آیندہ وہ بذات خود سردار کی حیثیت سے بھیجے گئے
اور ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے! مہم مئو میں پھر اُن کی مستعدی
وجانبازی کا ثبوت ملا! تاخت کابل کے بعد نظم دار الخلافہ کا
بوجھ قریب ایک سال تک سنبھالے رہنے سے ان
کی قابلیت کا اور زیادہ مشاہدہ ہو سکا! چنانچہ فتوحات بلخ
وبدخشاں پر متعین ہوتے وقت ان کی حیثیت معمولی سردار

کی نہ رہی تھی۔ یہ امیر نامی یا جنرل سمجھے جاتے تھے، اسی مہم عظیم
میں سات سردار نامی معہ اپنی اپنی افواج کے شیخ فرید کی ماتحتی
میں مقرر کئے گئے تھے اور یہ اُن ساتوں سرداران نامی کے امیر
یا کمانڈر تھے! فتوحات بلخ و بدخشاں میں اکثر امراء کا پائے ثبات
ڈگمگا گیا اور شاہزادہ مراد تک جی چھوڑ گیا لیکن جو امیر آخر وقت تک
سینہ سپر اور محو سر فروشی رہے اُن میں شیخ فرید کا نام بھی صاف
نظر آتا ہے! خاص بلخ کی نگرانی و محافظت کے لیئے آخر تک
استقلال کے ساتھ قایم رہنا ایسا فعل تھا جس کا سہرا بہادر خاں
اور شیخ فرید کے سر رہا! انھوں نے اس وقت تک قدم پیچھے نہیں
ہٹایا جب تک کہ دراندازی نے شاہجہاں کی طبع عالی کو اِن کی
طرف سے مکدر نہ کر دیا! داراشکوہ کو۔ اس کے بعد۔ شجاع کے
مقابلہ کے لیئے پھر چار ناچار ان ہی کو بلانا اور جے سنگھ کے ساتھ
روانہ کرنا پڑا! بنارس کے مقابلہ نے اخلاص خاں بنا ہی دیا تھا۔
عالمگیر کے زمانہ میں محاصرہ الہ آباد نے احتشام خاں بنا دیا!
احتشام خاں نے معرکہ شجاع میں جو بہادری اور بے نظیر
قابلیت سرداری دکھائی وہ ہر تاریخ میں موجود ہے اور زمانہ
کے ساتھ زندہ رہے گی! یہ ہراول میں مقرر ہوئے تھے اور ہراول

ہی وہ حصّہ تھا جس نے واقعی شجاع کے مقابلہ میں اورنگ زیب کی عزت رکھ لی: جسونت کی مکّاری سے بدنظمی پھیل چکی تھی، بلند اختر کے حملہ سے برنغار ڈگمگا چکا تھا اور میدان تقدیر معلّق کی طرح فریقین کی جدوجہد کے ساتھ ادھر سے اُدھر ہٹا جاتا تھا! اورنگ زیب کبھی ہرگز عالمگیر نہ بنتا اگر یہ معرکہ دگرگوں ہوجاتا۔ اور یہ معرکہ یقینی دگرگوں ہوجاتا اگر اُس نازک وقت میں ہراول سے بے نظیر شجاعت وجاں بازی کا اظہار نہ ہوتا! اسی ہراول کے سردار احتشام خاں تھے جس کی سرفروشی اور استقلال کی بدولت عالمگیر عالمگیر بنا! عالمگیر کی چشم مرتبہ فہم نے اس قابلیت کا مشاہدہ ہی نہیں موازنہ کیا اور اسی کی وجہ تھی کہ جب یہ محمد سلطان کے معتوب ہونے کے زمانہ میں کبیدہ خاطر ہو کر دست کش ہوئے تو عالمگیر نے ان کو نہ چھوڑنا تھا نہ چھوڑا! عالمگیر۔ اس کے بتانے کی ضرورت نہیں۔ ایسا بادشاہ تھا جو سلطنت کی باگ خود اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور ہر جگہ اور ہر شخص کو خود سمجھتا تھا اور خوب سمجھتا تھا، فی الحقیقت اس کی سلطنت اس کی اپنی سلطنت تھی، پس پردہ کسی ابوالفضل یا آصف خاں کی حکومت نہیں تھی! احتشام خاں اگر غیر معمولی قابلیت کے سردار نہ ہوتے تو

عالمگیر جیسا بادشاہ ان کی واپسی کا کوشاں نہ ہوتا۔ احکامات نہ بھیجتا۔ اصرار نہ کرتا۔ تاج خاں کے ہاتھ شقعہ نہ بھیجتا۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ۔ اس شقعہ پر اپنے دست مبارک سے "فرزند" اور اقبال آثار" کے الفاظ نہ لکھتا اور کبھی ہرگز نہ لکھتا! عالمگیر نے ان کو واپس ہی نہیں بلایا بلکہ ان کی ناز برداری کی۔ واپسی کے ساتھ ہی مہم بنگالہ پر مقرر کیا تو اس عزت کے ساتھ کہ جہانگیر نگر کا محافظ مقرر کیا

اور اختصاص خاں وراجہ امر سنگھ نروری کو معہ دیگر منصب داروں کے ان کے تحت میں دیا! آخر زمانہ میں پونا کی تھانہ داری کی عزت بھی ان کی غیر معمولی قابلیت کارفرمائی کی بدولت تفویض ہوئی! "پونا کی تھانہ داری کیا چیز تھی؟" اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ رندولہ خاں، بیرم دیو سیسودیہ، زاہد خاں، جانثار خاں، اور خواجہ ابوالمکارم چار ہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ احتشام خاں تھانہ دار پونا کی ماتحتی میں مقرر کیئے گیے تھے!! احتشام خاں جب تک سپاہیانہ حیثیت سے رہے مشہور نہیں ہوئے لیکن سرداری کا موقعہ ملتے ہی وہ چمکنے لگے اور ان کی قابلیت کارفرمائی موازنہ کرنے والی نظر کو کھینچنے لگی۔ جنرل کی حیثیت سے وہ نہایت

کامیاب، عقلمند، منتظم، اور شجاع سرداروں میں سے سمجھے جانے کے قابل ثابت ہوئے!!

پیش بینی

واقعاتِ مستقبل پر اپنی حسب حیثیت پہلے سے امید قایم کر لینا انسان کے دماغ کا فعل ناگزیر ہے! لیکن اس امید کا صحیح ہونا دماغ کے اخذ کیئے ہوئے نتیجہ کی صحت پر زیادہ تر منحصر ہے! ماضی کے واقعات و نتائج کو علوم متعارفہ سمجھکر حال کی حالت گرد و پیش سے مستقبل کے لیئے رائے قایم کرنا پیش بینی کے نام سے پکارا جاتا ہے! قوتِ فکر و قوتِ استنباط جسقدر عمدہ اور صحیح فہم ہوگی اُسیقدر پیش بینی بھی۔ اکثر و بیشتر۔ قریب قریب صحیح ثابت ہوگی! نواب فریدؔ کی زندگی پر اس لحاظ سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دماغ نے مستقبل کے لیئے ہمیشہ صحیح نتیجہ اخذ کیا اور وہ اسی وجہ سے کبھی ناکام نہیں ہوے! مثلاً سب سے اول ہوش سنبھالتے ہی جہانگیری دور میں نورجہاں اور آصف خاں کی دلی رقابت اور اس کی وجہ سے کُل طبقۂ اعلےٰ کی دو جگہ تقسیم۔ اُن کے سامنے تھی: نورجہاں عملی طور پر سیاہ و سفیدِ سلطنت کی مالک

تھی اور اسی لئے قریب قریب تمام ذی اثر امرا اُس کے گروہ میں تھے؛ عام روش کے لحاظ سے شیخ فرید کو بھی نور جہاں پرستی اختیار کرنی چاہیے تھی، لیکن ان کے دماغ صحیح اور فکرِ رسا نے اُن کو سمجھا دیا کہ جہانگیر کے بعد نور جہاں کا اثر کالعدم ہو جائیگا اور آصف خاں شاہجہاں کی بدولت کامراں ہوگا! انہوں نے وقت اور موقعہ سے حتی الامکان پورا فائدہ اُٹھایا اور آصف خاں کو خسر بنا کر دورِ شاہ جہانی میں اپنی عزت قایم کرنے کی بنیاد رکھدی! دوسری مرتبہ پھر شاہجہاں کی سلطنت کے خاتمہ پر دارا شکوہ اور عالمگیر کی مخالفت کا اثر تھا! اس وقت بھی بڑا گروہ دارا شکوہ کے زیر اثر اور زیر حکم تھا! شیخ فرید اول سے دارا شکوہ کے پسندیدہ امرا میں سے نہ تھے چنانچہ شاہجہاں کی سلطنت کے آخری حصہ میں۔ جس وقت دارا شکوہ فی الحقیقت حکمرانی کر رہا تھا، شیخ فرید بلخ و بدخشاں کے مہم کے بعد معزول کر دیے گئے:

صاحب ماثر الامرا اس معزولی کی وجہ "افزونی ارتکاب منہیات" تحریر فرماتے ہیں اور خافی خاں نظام الملکی جن کی تالیف منتخب اللباب غالباً صاحب ماثر الامرا کی تاریخ نویسی کا جزو اعظم ہے۔ انحراف حکم اس کا سبب بیان کرتے ہیں! فرامین مندرجہ بالا کی عبارت

اس کی وجہ تعدّی و بدسلوکی ظاہر کرتی ہے اور ان کے علاوہ کوئی اور مفصل تحریر اس واقعہ کی نسبت کہیں نہیں ملتی! صاحب مآثر الامرا کا الزام ایک ایسا انوکھا الزام ہے جس کی تائید کسی دوسری مستند تاریخ یا فرمان سے نہیں ہوتی! "ارتکاب مغیّرات" ایک ایسی چیز تھی جو اُس زمانہ میں طبقۂ امرا میں عموماً اور قلعۂ شاہی میں خصوصاً زیر عمل تھی: جہانگیر نے اپنے ہاتھ سے شاہجہاں کو اس کا مرتکب بنایا۔ اور بنایا ہی نہیں بلکہ اُس کو سلطنت کا جوہر سمجھ کر ظاہر بھی کیا! محض اس عادت پر اُس زمانہ میں کس کس کو سزا دی گئی تھی جو شیخ فرید کو بھی معزول کیا جاتا؟ البتہ اس عادت کی اس درجہ زیادتی جو فرائضِ منصبی کو پورا نہ کرنے دے ضرور قابل لحاظ سمجھی جاسکتی تھی۔ لیکن اگر شیخ فرید اس درجہ "افزونیٔ ارتکاب مغیرات" میں پیاجالغالم بن گئے تھے تو آئندہ چل کر اس عادتِ قبیح کا ایک دم ترک ہوجانا بھی اعجاز سے کم نہیں ہے! اسقدر بڑھ جانے کے بعد فیصدی ۵ آدمی بھی مشکل سے نکل سکتے ہیں جو اس کو ترک کردیں۔ یا ترک کردینے کا جہادِ نفس کریں اور زندہ رہ جائیں، باکار بنے رہیں، زندگی کی کش مکش میں برابر استقلال و بہادری دکھائے جائیں! قلمی تواریخ اور تواریخ مطبوعہ

میں سے ایک بھی سوائے "ماثرالامرائے تیموری" کے شیخ
فرید پر ایسا الزام نہیں لگاتی! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ
سوائے اس ایک جملہ کے جو صاحب ماثرالامراء نے محض معزولی
کی وجہ بیان کرنے میں اضافہ کیا ہے اور کہیں اس کی جھلک شیخ
فرید کی اگلی یا پچھلی زندگی کے واقعات سے نظر نہیں آتی۔ کم از
کم میری عقل اس الزام کو بصورت موجودہ ماننے کے لیئے تیار نہیں!
اب رہا "انحراف حکم" اور راجہ بیٹھل داس کے ساتھ کوتاہ کاہل
پر جانے میں تعلل، اس میں جسقدر بھی اصلیت ہو قابل تسلیم ہے!
اس وجہ کو فرامین متعلقہ اور داراشکوہ کی مخالفت کے ساتھ دیکھا
جائے تو واقعہ اور زیادہ صاف ہو جاتا ہے! دونوں فرمان جن
کی نقول دوسرے حصہ میں دی گئی ہیں "نشان" ہیں یعنی
داراشکوہ کی مہر سے جاری ہوئے ہیں اور اُسی کا حکم سمجھے جا سکتے
ہیں! تاریخ شاہد ہے کہ بلخ و بدخشاں کی مہم پر متعین ہوتے کے
وقت شیخ فرید کی پوزیشن ایک معمولی سردار یا منصب دار کی سی
نہ تھی! وہ اُن امرائِ نامی میں سے تھے جن میں سے ہر ایک
کے تحت میں سات سات سردار معہ اپنی افواج کے متعین کیئے
گیئے تھے۔ گویا سات افواج یا امراء کی جمعیت کے کمانڈر اِن چیف

یا امیرالامرا کی حیثیت شیخ فرید کی تھی: بعد میں ان کو راجہ
بیٹھل داس کی ماتحتی میں بطور کمک کے مقرر کیا گیا جو پہلے
پوزیشن کے لحاظ سے یقینی تنزل تھا: اس تنزل کی کوئی وجہ
نہ کسی تاریخ میں ملتی ہے نہ قلمی افسانوں میں: جو کچھ بھی ہو، ایک
ذمہ دار سردار کو چشم زدن میں ماتحت بنا دینے سے جو اثر
اُس سردار پر ہوگا وہی شیخ فرید پر ہوا اور وہ نیچرل تھا! اس
لحاظ سے جو کچھ انحراف حکم اُن سے سرزد ہوا اسی کی یاداشت
انھوں نے بھگتی! لیکن فی الواقع یہ تمام انحراف حکم اُسی
ناپسندیدگی اور مخالفت پر مبنی تھا جو دارا شکوہ کو ان سے
تھی: ظلم و تعدی، بدسلوکی و انحراف حکم؛ اور ایسے ہی بیشمار
قصور ہر سردار یا حاکم پر اس وقت بہت آسانی سے
لگائے جا سکتے ہیں جب قوت حکمراں اس کی معزولی کے
درپے اور عیب جو ہو! واقعات عالم اس حقیقت امر کو
ہمیشہ سے ثابت کرتے آئے ہیں اور اب بھی ثابت کرتے
رہتے ہیں! شیخ فرید بھی اسی کے بدولت معزول ہوئے!!
خیر! اس معزولی کے جملہ معترضہ کو علحدہ کر دیا جائے تو صاف
نظر آتا ہے کہ اُن کے دماغ نے اس مرتبہ بھی عالمگیر کا ساتھ

ساتھ دینے میں نہایت صحیح پیش بینی اور انجام فہمی کا اظہار کیا!! نواب فرید کو داراشکوہ نے مجبوری کے وقت شجاع سے مقابلہ کرنے کے لئے دوبارہ بلایا اور فتح بنارس کے بعد پٹنہ کا صوبہ دار اور اخلاص خاں بھی بنا دیا۔ عام روش اس بات کی مقتضی تھی کہ عبدالجلیل بارہہ قلعہ دار چیتاپور اور قاسم خاں بارہہ قلعہ دار الہ باد کی طرح پٹنہ کی صوبہ داری پر اخلاص خاں بھی خواب خرگوش میں رہتے اور انجام کی مطلق پروا نہ کرتے! لیکن اس مرتبہ بھی ان کی عقل سلیم اور فکر صحیح نے مستقبل کی نہایت صحیح تصویر ان کے پیش نظر کر دی: عالمگیر نے نہ پٹنہ کا رُخ کیا تھا اور نہ یہ مجبور ہوئے تھے: انھوں نے نہ تو راجہ جسونت سنگھ کی طرح رات میں شب خون مار کر غدّاری کی اور نہ مکرّم خاں صفوی سنجر بیگ اور عبدالرحمٰن خاں کی طرح عین کارزار میں ایک کا ساتھ چھوڑ کر دوسرے سے جا ملے۔ بلکہ بالکل صاف طور پر صوبہ داری پٹنہ سے دست کش ہو کر عالمگیر کی خدمت میں کھلّم کھلّا حاضر ہو گئے اور سموگڑھ کے معرکہ میں شامل ہوئے! اُن کی اس علیحدگی کی نسبت کسی مورّخ نے ان پر غدّاری کا

الزام نہیں لگایا ہے! عالمگیر کی طرفداری اس خوبصورتی کے ساتھ شروع کرنا ان کے دماغ کے معاملہ فہمی اور پیش بینی کی بے نظیر مثال ہے!

خودداری

نوّاب فرید میں خودداری کا جذبہ بھی غیر معمولی تھا۔ اس کی وجہ سے ایک مرتبہ ان کو کچھ عرصہ کے لئے نقصانِ عظیم بھی برداشت کرنا پڑا۔ لیکن مستقل اور راسخ الرائے ہونے کی وجہ سے وہ نقصان برداشت کرنے کو خودداری کے خلاف عامل ہونے پر ترجیح دیتے رہے! خودداری و اولوالعزمی ایک ہی جذبہ کی دو مختلف صورتیں ہیں! خودداری ہی فی الحقیقت وہ چیز تھی جس نے نواب فرید کو دارا شکوہ کے انحرافِ حکم پر آمادہ کر دیا اور کل زرِ نقد کی ضبطی اور معزولیٔ عہدہ و منصب بھی اس سے انہیں باز نہیں رکھ سکی! اس کے بعد عالمگیر کے زمانہ میں بھی جب وہ شاہزادہ محمد سلطان کی ہمراہی میں متعین ہوئے تھے اور میر جملہ کی عینک سے مشکوک نظر آنے لگے تھے تو انھوں نے فوراً خدمات متعلقہ سے دست کشی کی اور خودداری کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ عالمگیر جیسے سخت گیر

شاہنشاہِ ہند کا خود اپنے قلم سے چند سطریں لکھنا، "فرزند" سے خطاب کرنا، اور اسقدر دلجوئی کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ وہ واپس ہوئے تو اس وقت جب ان کو جہانگیر نگر کی حکومت تفویض ہوئی! احتشام خاں میں استقلال کے ساتھ خودداری کا جذبہ ہمیشہ رہا اور کبھی وہ اس کو نظر انداز نہ کر سکے!

احساسِ شرافت

حسب و نسب کا تحفظ زمانۂ ماضی میں سب سے زیادہ ضروری سوشیل مسئلہ تھا۔ بلکہ اگر معاف کیا جائے تو اب بھی اُن افراد میں باقی ہے جو اس وقت تک اس کے تحفظ میں کامیاب رہے ہیں! شیخ فرید کا حسب و نسب بیان کر دینے کے بعد مجھے اس کی حاجت نہیں کہ میں اُن کے شرافت آبائی کو استدلال کے ساتھ ثابت کروں۔ حضرت فاروق اعظم اور بابا صاحبؒ کے اسمائے گرامی کسی تعارف یا ریمارک کے محتاج نہیں ہیں! نواب فرید کو تحفظ نسب کا خیال نسلاً بعد نسلاً ورثہ میں پہنچا تھا! اسی احساس شرافت کے لحاظ سے ایک کام انھوں نے ایسا کیا جو فی الواقعی ہر لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے!

تحفظ نسب کا لحاظ اُن کے آباؤ اجداد بھی بدایوں میں آباد رہکر برابر کرتے رہے لیکن بدایوں سے علیحدہ ہو کر محض اپنی خاندانی حیثیت قایم کرنا ایک ایسا بے نظیر کام تھا جس کا سہرا نوّاب صاحب مرحوم کے سر ہے! جس خوبی کے ساتھ انھوں نے اپنی ذات اور اپنی نسل کو بدایوں کی رونافزوں آبادی میں غرق ہوجانے سے روکا وہ واقعی خاندانی لحاظ کے علاوہ پولٹیکل نقطۂ نگاہ سے بھی نہایت دقیع ہے! بدایوں کے موّرخین اور عام اصلی باشندوں کو ممکن ہے کہ ان باہر کے زمانہ میں آکر آباد ہونے والے چند فاتحین کا عروج و اقتدار ناگوار گزرا ہو اور اسی وجہ سے کچھ کج رجئی و سرد مہری دیکھکر نواب فرید نے بدایوں کو چھوڑکر شیخوپور بسایا ہو، جو کچھ بھی ہو۔ انھوں نے بدایوں کی عام آبادی سے علیحدہ ہوکر اپنے خاندان کی جداگانہ حیثیت قایم کرنے میں نہایت بیدار مغزی و احساسِ شرافت کا اظہار کیا! کسی مجبوری یا ضرورت شدید کی وجہ سے یہ انتقال وطن ناگزیر چیز نہ تھی کہ بلا سوچے سمجھے مجبوراً عمل میں آئی ہو۔ بلکہ بدایوں کے عین اقتدار و نظامت کے زمانہ میں نواب فرید نے اس چار ہزار بیگہ زمین کو اپنی

استدعا پر دربار جہانگیر سے حاصل کیا تھا!

انتخابِ مقام

چار ہزار بیگہ زمین۔ مزروعہ وافتادہ بالمناصفہ۔ دربار جہانگیری سے عطا ہوئی تھی لیکن اس کو جس جگہ چاہے پسند کرنا شیخ فرید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ خاص مقام پسند کرنا جو شیخوپور کے نام سے موسوم ہوا ان ہی کا کام تھا! دریائے سوتھ کے کنارے موضع پھلیا کے اونچے کھنڈروں کے ڈھیر آبادی کے لئے منتخب کئے گئے: اس وقت کسی انجنیر یا ماہرِ فنِ عمارات سے نواب فرید کا رجوع کرنا نہیں پایا جاتا۔ جو کچھ انھوں نے کیا خود کیا اور اپنے ہی دماغ کی امداد سے کیا! شیخوپور کی آب وہوا کسی قرب وجوار کی آبادی سے بری نہیں ہے، بلکہ بالمقابلہ بدایوں سے سال کے اکثر حصّوں میں اچھی رہتی ہے! شیخوپور کی جگہ کے انتخاب میں نواب صاحب کے دماغ نے اور بھی زیادہ بیدار مغزی کا ثبوت دیا! شیخوپور لبِ دریا بھی ہے، اونچی جگہ بھی ہے، زراعت کے لحاظ سے عمدہ زمین بھی رکھتا ہے، اور سب سے زیادہ خوبی کی بات یہ ہے کہ بدایوں کے بالکل قریب ہو کر بھی

علیحدہ ہے اور اپنی جداگانہ ہستی رکھتا ہے! بدایوں سے
علیحدگی اختیار کرنے کے وقت ممکن تھا کہ نواب فرید کوئی
زمین سہسوان کے قریب یا بدایوں سے فاصلہ پر پسند کر لیتے،
لیکن ان کا دماغ سمجھ رہا تھا کہ پولٹیکل اور لوکل ضروریات
کے لحاظ سے بدایوں سے بعُدِ بعید بھی نقصان دہ ہے:
انھوں نے اپنے خاندان کی جداگانہ ہستی قایم کرنے اور
تحفظ نسل کے ساتھ ہی بدایوں کے قریب ہونے کی مقامی
اور معاشرتی اہمیت کو بھی فنا نہیں ہونے دیا! اس انتخاب
مقام کو آج سے ۵۰ سال پیشتر شاید اس خوبی کے ساتھ نہ سمجھا
گیا ہو جسقدر کہ اب سمجھا جاسکتا ہے! "شیخوپور کا بدایوں کے
قریب ہوکر علیحدہ طور پر اپنی ہستی باقی رکھنا" بھی احتشام خاں
مرحوم کے دماغِ بیدار کی فکرِ صحیح اور بلند پروازی کا نتیجہ ہے!

گھر میں

احتشام خاں اپنے گھر میں بھی اسیقدر کامیاب
رہے جسقدر گھر سے باہر ملازمت شاہی
میں! اُس زمانہ میں ہر ذی قابلیت و حیثیت
شخص تعدد ازدواج کا عملی طور پر ماننے والا تھا: بظاہر ایک
بیوی پر اکتفا کرنے اور بباطن بدنظری اور بدعملی کا مرتکب رہنے

کو جائز طور پر چار نکاحِ شرعی کر لینے سے بدرجہا مذموم اور معیوب سمجھا جاتا تھا! نفسِ حیوانی کو جائز طور پر مطمئن کرنا سوشیل نقطہ نگاہ سے بھی اسقدر قابل انگشت نمائی نہ تھا جسقدر آج کل مساواتِ حقوق کے زیر سایہ سمجھا جا رہا ہے! مجھے اس بحث کو چھیڑنا مقصود نہیں ہے کہ پُرانے جائز اور محدود طریقہ ازدواج اور موجودہ ناجائز اور غیر محدود تعیش میں کونسی صورت زیادہ معیوب، ضرر رساں، افزائش نسل کے لئے مہلک اور سوسائٹی کو تباہ کرنے والی ہے! بہر حال اُس زمانہ میں قوت جسمانی اور جذبات حیوانی نسبتاً موجودہ نسل کمزور سے زیادہ قوی اور دیر پا ہوتے تھے اور معقول تعداد تعدد ازواج کی عامل تھی! نوّاب فریدؒ نے چار نکاح کرنے کے ساتھ حدود شرعی سے آخری حد تک فائدہ اُٹھایا تھا! ایک بیوی خاندانی اور اولاد بابا صاحب سے تھیں، دوسری آصف خاں اعتماد الدولہ کی صاحبزادی تھیں، تیسری ایک شریف النسل افغانی بی بی تھیں

نمبر ا۔ شادی۔ اسمائے ازواج۔ اور خانہ داری کے تمام حالات خاندان شیخوپور کی غیر مطبوعہ کتب تواریخ سے ماخوذ ہیں!!

جو انھوں نے فتوحات بلخ و بدخشاں میں حاصل کی تھیں، اور چوتھی ایک راجپوت تھیں جن سے غالباً مہم مئو کے زمانہ میں نکاح ہوا تھا! یہ چاروں بیویاں ایک ہی محلسرائے میں جو انھوں نے قلعہ کے اندر تعمیر کرائی تھی رہتی تھیں! چاروں کو عدلِ شرعی کے مواقف ایک ہی گھر میں اور ایک ہی حالت میں رکھنے میں آخر وقت تک نواب فرید کامیاب رہے!

اولاد پہلی اور اپنے خاندان کی بیوی سے ہوئی۔ یا اعتماد الدولہ کی صاحبزادی سے ایک لڑکی ہوئی۔ اور کسی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی! اولاد کی تعلیم و غور پرداخت۔ اُس زمانہ کے مواقف۔ انھوں نے نہایت اچھی کی بلکہ اپنے سامنے خدمات پسندیدہ پر مامور کرا دیا! تمام خاندان کو محبت کے ساتھ برتنا اور اُن کی آسایش کو ملحوظ رکھنا احتشام خاں کا شعار تھا! انتظامی قابلیت جو بڑے پیمانہ پر نظامت سرکار بدایوں، نظامتِ دارالخلافہ، قلعہ داریٔ ناسک و بلخ، صوبہ داریٔ پٹنہ، اور تھانہ داریٔ پونا میں باسہاظاہر ہو چکی تھی امورِ خانہ داری میں بھی نہایت کامیاب اور نفع بخش ثابت ہوئی! قلعہ کی اندرونی تقسیم۔ باغیچہ، محلسرائے اور عام

آبادی۔ پُرانے اصول کے موافق برابر قایم رہی! تمام
انتظاماتِ خاندانی ان ہی کے زیرِ حکم تھے اور برابر کامیابی کے
ساتھ ان کا بندوبست ہوتا رہا! "تبرکات باباصاحب رح" کا
حاصل کرنا اور ان کو پاس ادب کے لحاظ سے اپنے سر پر
جگہ دینا ایک ایسا معنی خیز فعل تھا جس سے بیک کرشمہ دوکار
کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے! اول تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ
احتشام خاں کو "نامِ نیک رفتگان" کا کسقدر خیال تھا اور
دوسرے یہ کہ ہر سال باباصاحب کا عرس ہونے کی بنیاد
ڈالنے کے یہ معنے ہیں کہ آنے والی نسلیں اپنے مورثِ اعلےٰ
کی یاد ہمیشہ تازہ کرتی رہیں اور خاندانی خصوصیت کو کسی طرح
نظر انداز نہ کرسکیں! اس فعل سے جسقدر حبِّ اسلاف۔ اور
اس کی وجہ سے قومیت۔ پیدا ہوسکتی ہے محتاج بیان نہیں!
باباصاحب رح کی اولاد ہندوستان کے اور گوشوں میں بھی
بفضلہ اب تک موجود ہے لیکن ہر جگہ عام آبادی میں ملی جلی
اور غرق شدہ ہے۔ شیخوپور کی طرح علحدہ خاندانی ہستی اور
مقامی خصوصیت کے ساتھ باباصاحب سے وابستہ رہنا کسی
جگہ نہیں ہے۔ اس بے نظیر قیام شخصیت، جداگانہ سوشیل حیثیت

اور تحفظِ مرتبہ ونسب کا تمام تر سہرا اُسی ذات سے تعلق رکھتا ہے جو کم و بیش ساڑھے تین سو برس سے اپنے آباد کیئے ہوئے قصبہ کے سامنے۔ لبِ دریا ایک روضۂ کہنہ میں محوِ خوابِ استراحت ہے!

دریا درونِ کوزہ

احتشام خاں کی سینتالیس[۴۷] سالہ خدمات کا تجزیہ نہایت اختصار کے ساتھ کیا جائے تو قریب قریب یہ ہوگا کہ ۱۰۲۸ھ سے ۱۰۳۰ھ تک چھوٹی اور معمولی خدمات بجالاتے رہے۔ ۱۰۳۰ھ سے ۱۰۳۵ھ تک نظامت سرکار بدایوں کا بوجھ نہایت خوش انتظامی کے ساتھ اُٹھایا کیئے۔ ۱۰۳۵ھ سے آغاز ۱۰۳۷ھ تک بنائے شیخپور اور حصول تبرکات بابا صاحب گنجشکر رحؒ میں مصروف رہکر اولاد بابا صاحب کے لئے ایک خاندانی ومعاشرتی رتبہ علحدہ طور پر قایم کرتے رہے۔ ۱۰۳۷ھ کے اختتام پر شاہجہاں کے لئے آصف خاں کے زیر سایہ شہریار و نورجہاں کے مقابلہ میں، سینہ سپر بنے۔ پھر سات سال کے سکوت کے بعد ۱۰۴۴ھ میں نواح دہلی کو باغیوں کے

وجود سے صاف کرنے میں مصروف رہے ۔ ۱۰۴۴ھ
سے ۱۰۴۵ھ تک جھجار سنگھ بندیلہ کے مقابلہ میں جنگ
آزمائی کرتے رہے ۔ ۱۰۴۵ھ کے آخر میں تسخیر سنگمنیر میں
اظہار شجاعت کیا ۔ ۱۰۴۶ھ میں ناسک کے گورنر مقرر ہوئے
اور تمام نواح ناسک میں امن وانتظام پھیلانے میں سرگرم
رہے! اسی سال کے آخر میں فساد جنیدوار کے فرو کرنے
میں سرگرم رہے ۔ ۱۰۵۰ھ میں تنبیہ ہزارہ جات میں لشکر کش
ہوئے ۔ ۱۰۵۱ھ میں مہم مئو میں سرفروشی کے ساتھ سرگرم
پیکار ہوئے اور دو سال اسی مہم میں مصروف رہے ۔
۱۰۵۲ھ میں تاخت کابل میں مستغرق رہے ۔ ۱۰۵۴ھ
میں ناظم دار الخلافہ اکبر آباد مقرر ہوئے ۔ ۱۰۵۵ھ میں سات
امیران نامی کے سردار بناکر مہم بلخ و بدخشاں پر روانہ کئے گئے
اور ۱۰۵۸ھ تک مشغول پیکار رہے ۔ ۱۰۵۸ھ سے ۱۰۶۶ھ
تک معزول رہے ۔ ۱۰۶۷ھ میں دوبارہ بحال ہوکر بنارس
پر شجاع کے مقابل صف آرا ہوئے اور اخلاص خاں کے
خطاب کے ساتھ صوبہ دار پٹنہ مقرر ہوئے ۔ ۱۰۶۸ھ میں
معرکۂ سموگڑھ میں عالمگیر کی طرف سے ہراول میں مقرر ہوئے

اور محاصرہ الہ باد میں مصروف رہکر احتشام خاں کا خطاب پایا۔
۱۰۶۹ھ میں مہم شجاع میں ہراول عالمگیری میں متعین ہوکر بےنظیر
استقلال وشجاعت کا اظہار کیا۔ ۱۰۶۹ھ سے ۱۰۷۱ھ تک
شاہزادہ محمد سلطان کے ساتھ تعاقب شجاع اور مہم بنگالہ میں
عرق ریز رہے۔ ۱۰۷۱ھ سے ۱۰۷۲ھ تک میر جملہ کے شک
کی وجہ سے دست کش اور گوشہ گزین رہے۔ ۱۰۷۲ھ سے
مہم آسام پر روانہ ہوئے اور ۱۰۷۴ھ تک اختصاص خاں،
راجہ امر سنگہ نزوری وغیرہ منصب داران ماتحت کی کمک
کے ساتھ محافظت جہانگیر نگر کی ذمہ داری اٹھائے رہے۔
۱۰۷۴ھ ہی کے آخر میں سیواجی کے مقابلہ پر روانہ کئے گئے
اور پونا کی تھانہ داری کے معزز عہدہ پر مقرر ہوئے۔ ۱۰۷۵ھ تک
پانچ امرائے نامی اور چار ہزار کی جمعیت کی سرداری کے
ساتھ پونا کی تھانہ داری کی باگ سنبھالے رہے اور اسی سال
داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون ٥
دور اکبری کے اختتام پر وہ گہوارۂ خوردسالی میں دنیا سے
بےخبر تھے؛ دور جہانگیری کے اختتام پر نواب فرید ناظم
سرکار بداؤں اور "ایک ہزار ذات وچار سو سوار" کے منصب دار

بن چکے تھے؛ دورِ شاہجہانی ختم ہوا تو منصب "دوسہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار" کے ساتھ اخلاص خاں کے خطاب سے صوبہ دار پٹنہ تھے؛ عالمگیری آٹھ سال نے ان کو "چہار ہزار ذات و سہ ہزار و پانصد سوار" کے اعلیٰ منصب کے ساتھ پونا کی تھانہ داری تک پہنچا دیا!! جہانگیری فرمان میں "نتیجۃ الامرا العظام۔ سلالتہ الاماجد الفخام۔ شائستہ تربیت خسروانہ، سزاوار عاطفت شاہانہ" کے خطاب سے مخاطب بنایا گیا ہے۔ شاہجہانی دور میں "خانہ زاد لایق العنایۃ و المراحم" اور دوسری مرتبہ "شہامت شعار۔ بسالت آثار۔ لایق العنایہ والاحسان۔ قابل المرحمہ والامتنان" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ سب کے آخر میں دورِ عالمگیری کا فرمان "مشیخت پناہ۔ رفعت و نجابت دستگاہ۔ نتیجۃ الاکابر۔ خلف الاماجد۔ فرزندی اعزی" کے معزز خطاب سے پکارتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ یہ کہ خود شاہنشاہِ عالمگیر کا قلم مبارک "اقبال آثار" اور "فرزند" کے خلوص و عزت آمیز لقب سے یاد کرتا ہے!

یہ عزت و مرتبہ تھا اور یہ خدماتِ سرفروشی و جاں فدائی تھیں اُس شخص کی جس نے اپنی تمام عمر وقفِ خدمات تاج و تخت کر دینے

کے بعد اپنی آنے والی نسلوں کے لئے ایک مستقل اور قابل لحاظ
اعزاز و مرتبہ۔ پولٹیکل، سوشیل، اور خاندانی۔ ہمیشہ کے لئے
چھوڑا! جس نے اپنی عمر کی مدت نہایت کامیابی، ترقی، انتظام،
خوش فکری، اور اعزاز کے ساتھ بسر کی، جو اب ڈھائی سو برس
سے اپنے آباد کئے ہوئے چھوٹے سے قصبہ کے سامنے بہنے
والی ندی کے کنارے پر محو خواب استراحت ہے اور اس کے
روضہ بوسیدہ کا گنبد و در و دیوار شکستہ بدایوں سے آنے
والے کی نظر کو اپنی طرف سب سے پہلے کھینچتا ہے اور شاید
سننے والے سے کہہ دیتا ہے کہ "فاعتبروا یا اولی الابصار!"

اَللّٰہُ بَاقی !

مِنْ کُلِّ فانی !!

(۲)

اقاربُ و اولاد

نوّاب فرید کے عزیز و اقارب کا ذکر اس کتاب کے پہلے حصّہ میں جستہ جستہ اکثر آچکا ہے! نظرِ غور اُن مقامات کو اگر دماغ میں محفوظ کر سکے تو خاندان متعلقہ کی عزت و حیثیت کا مجمل سا خاکہ پیش نظر ہو سکتا ہے۔ فرید کے والد ماجد شیخ جیون۔ یعنی نواب قطب الدین خاں شیخِ خوبو۔ جس پایہ و مرتبہ کے شخص تھے اُس کے لئے توزک جہانگیری محض کافی ہو گی! بادشاہانِ خود مختار کا کسی کو "بھائی بیٹے" کے نام سے پکارنا اُس زمانہ کی معراجِ کمال تھی! جہانگیر عمر میں ان سے بدرجہا چھوٹا سہی لیکن شاہنشاہِ خود مختار تھا اور شاہنشاہ اپنے رعایا کے پسندیدہ افراد کو "بیٹوں" سے بہتر کوئی اور لقب نہ زمانہ ماضی میں دے سکے اور نہ اب وقتِ حاجت دے سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہر فردِ معزز کو بلا لحاظِ سن خصوصیت و الطافِ خسروانہ کے اعتبار سے بیٹے یا بھائی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جہانگیر

اُسی طرح ان کو "بھائی بنا" لکھتا ہے جس طرح عالمگیر نواب فرید کو "فرزند"! قطب الدین خاں پنج ہزاری تھے اور ان کے اقتدار کی تصویر ہم بہت کچھ، نفسِ محل کا لحاظ رکھکر کھینچ چکے ہیں البتہ بقیہ افرادِ مختصر کی مختصر پرسش باعزت علیحدہ علیحدہ اب پیش کش ناظرین کیجاتی ہے! مآثر الامرائے تیموری اس حصہ میں ہمارے مواد کا جزو غالب ہی! :-

علاءالدین اسلام خاں[1]

یہ نام اکبر و جہانگیر کے دور میں ایسا ممتاز اور معزز نظر آتا ہے

کہ شاہی خاندان کو جدا کر کے مشکل سے دو چار امراء اور اس پایہ کے مل سکتے ہیں جو بہ لحاظ سے ہم پلہ بن سکیں! علاءالدین حضرت سلیم چشتی کے پوتے اور نواب فرید کے ماموں تھے! صمصام الدولہ کے الفاظ ہیں کہ اخلاق مرضیہ کی وفور اور صفات پسندیدہ کی افزونی کے بدولت اقارب و عشائر میں سرفراز تھے! جہانگیر

نمبر ۱ - مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۱۱۸ ملاحظہ ہو - اسلام خاں کا تمام و کمال حال قریب قریب صمصام الدولہ کا لفظی ترجمہ ہے!"

جنت مکانی سے کوکلتاشی کی نسبت بھی تھی! پادشاہی کے منصب اور مخصوص عزت واعتبار سے مالامال تھے، علّامی فہّامی ابوالفضل کی ہمشیرہ ان سے منسوب تھیں! جہانگیر کے تخت نشینی پر اسلام خاں کے خطاب کے ساتھ "پنج ہزاری" منصب مقرر ہوا اور صوبہ دار بہار بنائے گئے! جہانگیر قلی خاں لالہ بیگ کے انتقال پر بنگالہ کی مملکت وسیع کے صاحب صوبہ مقرر ہوئے! عثمان خاں کی سرکوبی کے لئے کمر ہمّت باندھی اور شیخ زادوں کے لشکر کے ساتھ ایسا جانبازانہ مقابلہ کیا کہ ہمیشہ ہمیشہ صفحہ تاریخ پر زندہ رہے گا! عثمان خاں کے استیصال کے صلہ میں۔ سال ہفتم جہانگیری میں منصب ششش ہزاری پر ترقی ہوئی۔ ان کا صلاح واتقا اس درجہ کا تھا کہ غالباً مدت العمر میں کبھی مسکر ومنہی کا ارتکاب اُن سے سرزد نہیں ہوا۔ ان تمام اوصاف کے باوجود صوبہ بنگالہ کی تمام رقّاصہ طوائف کو اسّی ہزار روپیہ ماہوار پر نوکر رکھا تھا اور ایک سال میں نو لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ ان کو دیدیا! فیّاضی کی یہ کیفیت تھی کہ ملازم زیور سے بھرے ہوئے خوان لئے کھڑے رہتے تھے اور یہ جس کسی سے خوش ہوتے فوراً خوان انعام میں دیدیتے! تزک امارت

کی یہ حالت تھی کہ جھروکہ و غسل خانہ کی رسوم جو لازمہ سلاطین تھیں عمل میں لاتے تھے۔ ہاتھیوں کو لڑانے کے شایق تھے۔ لباس میں تکلف نہیں کرتے تھے۔ ان کے دسترخوان پر ایک ہزار نفوس کا کھانا لنگر کے طور پر اُٹھتا تھا۔ لیکن خود ان کے سامنے جوار باجرے کی روٹی ساگ اور ساٹھی کے چانولوں کا خشکہ رکھا جاتا تھا۔ اُن کی ہمت و سخاوت نے جودِ حاتم کی داستان پر پانی پھیر دیا تھا۔ صوبہ داری بنگالہ کے زمانہ میں اپنے منصب داروں اور نوکروں کو دو دو سو ہاتھی بخشدیتے تھے! ہمیشہ ۲۰ ہزار نفوس شیخ زادہ سوار و پیادہ کی طرح اپنی فوج میں موجود رکھتے تھے! ان کے انتقال کا واقعہ جو جہانگیر نامہ اور توزک جہانگیری دونوں میں درج ہے نہایت غیر معمولی اور تصرف باطنی کا اعلیٰ نمونہ ہے! سال ہشتم جہانگیری میں۔ یعنی ۱۰۲۲ھ میں۔ ان کے ایام زندگی اختتام کو پہنچ گئے ان کی نعش فتحپور سیکری کو منتقل کی گئی جہاں ان کا مقبرۂ عالی اس وقت تک بفضلہ موجود ہے! فی الحقیقت علاء الدین اسلام خاں کے کارنامے اس لایق نہیں ہیں کہ باوجود اختصار کے تھوڑی سی جگہ میں

سماسکیں۔ ان کی زندگی ایک مستقل اور مبسوط سوانح عمری کے لایق ہی!

اکرام خاں ہوشنگ[۲]

علاء الدین اسلام خاں کے صاحبزادے اور نواب فرید کے ماموں زاد بھائی تھے۔

علامی ابو الفضل اکرام خاں کے ماموں ہوتے تھے! اکرام خاں آخر عہد جہانگیری میں قلعہ داری آسیر پر مقرر ہوئے! ایک مدت تک دکن میں بھی متعین رہے؛ شیر خاں تونور کی صاحبزادی ان کی بیوی تھیں! طبیعت کے لحاظ سے سخت گیر تھے۔ اسی سخت گیری کی بدولت جاگیر و منصب سے علیحدہ کر دئے گئے اور بجائے "دو ہزاری ہزار سوار" کے نقدی مقرر ہوگئی! فتحپور واپس آکر حضرت سلیم چشتی قدس سرہٗ کی تولیت مزار پر بقیہ زندگی بسر کر دی سال بست و چہارم میں انتقال کر گئے! (چوبیسویں سال سے سنہ جلوس شاہجہانی

نمبر ۲۔ اکرام خاں اور شیخ معظم دونوں کا حال ماثر الامرا میں علاء الدین اسلام خاں کے تحت میں درج ہی۔ ماثر الامرا جلد اول صفحہ ۲۰۰ نمبر ۱ ملاحظہ ہو۔

مراد ہے)

شیخ معظم[2]

اکرام خاں کے بعد ان کے برادر علاتی شیخ معظم روضۂ مقدس کی تولیت سے سرافراز ہوئے! اسال بست و ششم جلوس شاہجہانی میں فتحپور کے فوجداری پر متعین ہوئے اور "ہزاری وہشت صد سوار" کے منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! جنگ سموگڑھ میں عین گرمی کارزار میں نہایت مردانگی کے ساتھ جان پر کھیل گئے!

محتشم خاں شیخ قاسم[3]

علاء الدین اسلام خاں کے سگے بھائی اور نواب فرید کے ماموں تھے! ۱۰۳ ھ جلوس جہانگیری میں "ہزاری ذات و پانصد سوار" کے منصب پر متعین ہوئے! ۵ ھ میں دوسو کا ذات میں اور پچاس کا سوار میں اضافہ ہوا! ۸ ھ میں نظم صوبہ بنگالہ پر مامور ہوئے! ۹ ھ میں "چہار ہزاری ذات" اور "چہار ہزار سوار" کے

نمبر ۳ - ماثر الامرائے تیموری جلد سوم صفحہ ۳۵۵ ملاحظہ ہو!

منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! بنگالہ کی رعایا ان کی روش سے کچھ ناراض ہو چلی اور ملک آسام کی تسخیر پر جو فوج انھوں نے روانہ کی تھی وہ بھی شب خون کے نذر ہوگئی ان ہی وجہات نے جہانگیر کی طبیعت کو مکدّر کر دیا۔ تعلقہ مذکورہ سے تغیّر ہوا تھا جہانگیر کے حکم سے مگر ان ہی ایّام میں اس عالم فانی سے انتقال ہوا احکم الحاکمین کے حکم سے!

معظّم خاں شیخ بایزید

یہ بھی حضرت سلیم چشتی کے پوتے اور نواب فرید کے ماموں تھے! ان کی والدہ نے بھی جنّت مکانی جہانگیر کو دودھ پلایا تھا! عرش آشیانی اکبر کے اواخر عہد میں منصب دو ہزاری سے فائز تھے۔ جہانگیر کی تخت نشینی پر "سہ ہزاری" کا منصب اور معظم خاں کا خطاب ملا! ۳ سنہ جلوس جہانگیری میں "چہار ہزاری" ذات اور "دو ہزار سوار" کے منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! اس کے بعد صوبہ داری دہلی پر مامور و مفتخر ہوئے!

نمبر ۴ - ماثر الامرائے تیموری جلد سوم صفحہ ۳۶۵!

مکرّم خاںؒ

معظم خاں شیخ بایزید کے لڑکے اور علاء الدین اسلام خاں کے داماد تھے! رشتہ کے لحاظ سے نواب فرید کے ماموں زاد بھائی ہوئے! ایک مدت تک اپنے خسر اسلام خاں کی صوبہ داری کے زمانہ میں بنگالہ میں مصروف خدمات رہے! کوچ ہاجو کی مہم میں نہایت ثابت قدمی کے ساتھ تزو د بلیغ کا اظہار کیا اور پری چھت زمیندار کو پکڑ کر ناظم کے سامنے لائے! اسلام خاں کے بعد جب محتشم خاں شیخ قاسم صوبہ دار بنگالہ مقرر ہوئے تو ان کی بدمزاجی سے آزردہ ہوکر روانۂ بارگاہ ہوئے! ۲۱ سنہ جلوس جہانگیری میں بنگالہ کی صوبہ داری خانہ زاد خاں کے تغیّر پر ان کو مرحمت ہوئی اور ان کے نام فرمان جاری ہوا! مکرّم خاں کشتی پر سوار ہوکر استقبال کے لئے چلے۔ اسی اثناء میں نماز عصر کا وقت آگیا اور انھوں نے ملّاحوں کو حکم دے کر کشتی کنارہ کے

نمبر ۵ - مکرّم خاں کا حال بھی معظّم خاں کے تحت میں ملے گا ملاحظہ ہو ماٰثر الامرا مندرجہ نوٹ نمبر ۴ !

قریب ... بقیہ عصر ادا کرنے کے لئے ٹھہر والی! ہوائے تند و تیز
سے ... کو شورش تلاطم کے نذر کر دیا اور مکرم خاں اپنے ہمراہیوں
کے ... بحر فنا ہو گئے!

شجاعت خاں رستم زماں

ان کا اصلی نام شیخ کبیر تھا! علاءالدین اسلام خاں کے

... سپاہ کے عزیز تھے! عہد اکبری کے عمدہ منصبداروں
میں ... تھے ... دور جہانگیری میں اور زیادہ ترقی کر گئے!
نہایت شجاع اور دلیر تھے! اسی کی وجہ تھی کہ خان جہاں لودھی
کو ان کی شہامت و پردلی پر بڑا اعتماد تھا! جب خان جہاں
فوج ... کے ساتھ دکن پر متعین ہوا تو اس نے کل فوج کی ہراولی
پر شجاعت خاں کو متعین کیا۔ یہ عہدہ ہمیشہ سے سادات بارہا
کو ملتا ... تھا اور شجاعت خاں ہی سب سے پہلے شخص تھے جو
اس پر مامور ہوئے۔ سادات بارہہ کو اس تقرر سے بہت کچھ

نمبر ۶ - ملاحظہ ہو مآثر الامرائے تیموری جلد دوم صفحہ ۶۳۰ - اور توزک جہانگیری-
اور جہانگیر نامہ !!

ملال ہوا لیکن خان جہاں نے ایک نہ سُنی! اس کے بعد شجاعت خاں بنگالہ میں متعین ہوئے اور اسلام خاں اپنے عزیز قریب کے پاس پہنچ گئے! اسلام خاں نے جب عثمان خاں لوہانی کے مقابلہ میں سنہ ۶ جلوس جہانگیری میں بڑے بڑے امرائے نامی کو نامزد کیا تو ان سب کی سرداری شجاعت خاں کو تفویض فرمائی! جب شجاعت خاں عثمان خاں افغان کی سرحد میں داخل ہوئے تو عثمان خاں نشۂ نخوت و غرور میں سرشار سطوت و شوکت کے ساتھ ترتیبِ صفوف میں مصروف ہوا اور میدان گرم ہوا! ہر فوج اپنے مقابل کی فوج سے گُتھ گئی۔ نہایت سخت معرکہ ہوا۔ عثمان خاں نے فیل مست جنگی کو سامنے رکھکر ہراول پر حملہ کیا۔ اکثر امرائے نامی جن میں نواب فرید کے حقیقی بڑے بھائی کشور خاں سردار جرانغار بھی تھے نہایت بہادری و ثابت قدمی کے ساتھ مردانہ وار اپنے ولی نعمت کے کام آئے! عثمان خاں نے کشت و خون کا مطلق لحاظ نہ کر کے دوبارہ شجاعت خاں کی فوج کے قلب پر حملہ کیا اور شجاعت خاں کے عزیز و اقارب تمام کام آگئے اسی وقت عثمان خاں ہاتھی کے حوضہ میں بیٹھا ہوا شجاعت خاں پر جھپٹا۔ شجاعت خاں نے اول نیزہ ہاتھی کے سر پر مارا اس کے

بعد تلوار کے دو زخم ہاتھی کے منہ پر لگائے۔ پھر جمدھر کھینچ کر دو اور زخم لگائے۔ ہاتھی نے جھلا کر آگے قدم بڑھایا اور شجاعت خاں کے گھوڑے کو الٹ دیا۔ شجاعت خاں نہایت پھرتی کے ساتھ بجلی کی طرح گھوڑے پر سے کود کر علیحدہ کھڑے ہو گئے۔ شجاعت خاں کے جلودار نے اسی ہنگامہ میں شمشیر دو دستی سے ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ اُس کے گھٹنے ٹیک گئے اور شجاعت خاں نے ساتھ ہی فیلبان کو ہاتھی پر سے کھینچ لیا اور جمدھر کا ایسا زبردست ہاتھ ہاتھی کی سونڈ پر مارا کہ وہ چیختا چنگھاڑتا چند قدم پسپا ہو کر گر گیا۔ عثمان خاں کے ہوش و حواس غائب ہو چکے تھے پیام اجل ایک تیر کی صورت میں پہنچا اور پیشانی میں ترازو ہو گیا۔ کاری زخم کھا کر عثمان خاں اپنے خیمہ تک پہنچا تو سہی لیکن آدھی رات کو اُسے دنیا سے کنارہ کرنا پڑا! ولیخاں عثمان خاں کا بھائی اور ممریز خاں عثمان خاں کا لڑکا خیمہ و اسباب کو چھوڑ کر عثمان خاں کی نعش لئے ہوئے بھاگے! شکست ہو چکی تھی عثمان خاں نے تعاقب کر کے بھاگنے والوں کو بھی جا لیا! ولیخاں کی نجات اطاعت ہی میں تھی؛ عہد و پیمان ہوئے اور اُنچاس ہاتھی اُس نے شجاعت خاں کی نذر دے لئے! اس بے نظیر بہادری و شجاعت کے عیوض میں دربار جہانگیری سے

"رُستم زماں خاں" کا خطاب عنایت ہوا اور منصب و جاگیر میں
اضافہ ہوا! چونکہ اسلام خاں نے تمام اسیرانِ جنگ کو روانہ
بارگاہ کیا اور اس عہد و پیمان کا جو شجاعت خاں نے اُن سے
کئے تھے لحاظ نہیں کیا اس لئے شجاعت خاں کبیدہ خاطر ہو کر
بنگال سے چلے آئے! اُن ہی ایّام میں صاحب صوبگی بہار
کا فرمان پہنچا اور وہ بہار کی طرف چلے! جس دن شہر پٹنہ میں ایک
ہتھنی پر سوار داخل ہو رہے تھے کہ اتفاق سے ایک ہاتھی دوڑ
پڑا۔ شجاعت خاں گرے۔ پاؤں ٹوٹا۔ اور اسی میں دنیائے
ناپائدار سے کوچ کر گئے! کل من علیہا فان!!

کشور خاں شیخ ابراہیم

نواب قطب الدین خاں
شیخ خوبو گورنر بنگالہ کے
لڑکے گویا نواب فرید کے
حقیقی بڑے بھائی تھے! اپنے والد ماجد کی حیات میں ہی خدمات
تاج و تخت بجالانے کے قابل ہو گئے تھے اور ان کی زندگی میں
ان ہی کے سامنے محو خدمات رہے! چنانچہ بنگالہ کی صاحب

بمنبر۔ ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۱۹۸!

صوبگی کے زمانہ میں بھی یہ اپنے والد ماجد کی خدمت میں موجود تھے اور جس وقت شیر افگن خاں کے مکر نے ان کے والد ماجد کا خاتمہ کر دیا تو یہ ہی اس خبر جگر خراش کو لئے ہوئے واپس آئے تھے! یہ ہی وہ شیخ ابراہیم ہیں جن کے نام سے نواب قطب الدین خاں نے اپنے زمانہ نظامت میں بدایوں میں محلہ براہیم پور بسایا تھا جو اب تک اسی نام سے موسوم ہے! اسلسہ جلوس جہانگیری میں پہلے مرتبہ ان کا منصب "ہزاری سہ صد سوار" مقرر ہوا اور "کشور خاں" کا خطاب عطا ہوا۔ انھوں نے اپنے والد ماجد کی شروع کردہ تعمیرِ جامع مسجد بدایوں کو قریب قریب تکمیل تک اپنی زندگی میں پہنچا دیا تھا، یہ تعمیر شیخ فیض اللہ چشتی کے عہد میں اتمام کو پہنچی! جامع مسجد بدایوں میں شمالی ستون پر جو کتبہ نثر میں کندہ ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر کا اہتمام نواب قطب الدین خاں کی زندگی میں بھی شیخ ابراہیم ہی کے ہاتھ میں تھا۔

جنوبی ستون پر جو رباعی کندہ ہے اُس میں "خانِ کشور" کا نام صاف طور پر موجود ہے اور یہ ہی وہ "خان کشور" یا کشور خاں ہیں! اسلسہ ۳ جلوس جہانگیری میں رہتاس کے

قلعہ دار مقرر ہوئے سنہ ۴ میں ترقی ہو کر "دو ہزاری دو ہزار سوار" کا منصب مقرر ہوا! سنہ ۸ میں عثمان خاں افغان سے مقابلہ کے لئے شجاعت خاں کی ہمراہی میں روانہ ہوئے اور سرداری جرا نغار کے فرائض بہادری و پامردی کے ساتھ ادا کرنے میں کام آئے!

اخلاص خاں شیخ اللہ دیا

شیخ ابراہیم کشور خاں کے لڑکے یعنی نواب فرید کے حقیقی بھتیجے تھے! غالباً کشور خاں کے مارے جاتے ہی دربار جہانگیری سے ان کا منصب بطور پرورش مقرر ہو گیا تھا: ان کا مفصل حال مستند کتب تواریخ میں دور شاہجہانی میں ملتا ہے!

سنہ ۸ جلوس شاہجہانی میں اپنے چچا نواب فرید کے ساتھ شاہزادہ محمد اورنگ زیب کی فوج میں متعین ہو کر جھجار سنگھ بندیلہ کی تنبیہ کے لئے شریک مہم ہوئے! سنہ ۱۷ جلوس میں ترقی ہو کر

نمبر ۴ - ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۱۹۸ - نیز بادشاہ نامہ ملا عبدالحمید دوم جلد، صفحات ۳۴۴ - ۳۶۹ - ۴۱۰ - ۴۸۴ !

"ہزار و پانصدی - ہزار سوار" منصب قرار پایا اور کالنجر کی تعلقہ داری عنایت ہوئی! ۱۸ سنہ جلوس میں تسخیر بلخ و بدخشاں پر شاہزادہ محمد مراد بخش کے ساتھ نامزد ہوئے اور منصب میں اضافہ ہوکر "دوہزاری - ہزار سوار" کا رتبہ اور اخلاص خاں کا خطاب ملا - اس مہم میں بھی یہ فی الحقیقت نواب فرید کے ساتھ تھے! ۲۰ سنہ جلوس میں جملۃ الملک علامی سعد اللہ خاں کی تجویز پر جو شاہزادۂ مراد کی واپسی پر بلخ کے بندوبست کے لئے متعین ہوئے تھے۔ ان کے منصب سابقہ میں "پانصد سوار" کا اضافہ ہوا! ۲۱ سنہ جلوس میں حکم شاہی کے بموجب شاہزادہ محمد اورنگزیب سے جدا ہوکر بارگاہِ شاہی میں حاضر ہوئے اور علم بیش بہا کے عطیہ سے سرفراز ہوئے! ۲۲ سنہ جلوس میں پھر ترقی ہوئی اور "دو ہزار و پانصدی - دو ہزار سوار" منصب مقرر ہوکر شاہزادہ اورنگ زیب کے ساتھ مہم قندھار بھیجے گئے! ۲۳ سنہ جلوس میں "پانصدی" کا اضافہ ہوا! ۲۵ سنہ جلوس میں شاہزادہ اورنگ زیب کے ساتھ دوبارہ مہم قندھار پر روانہ ہوئے اور اسی سال خدمات پسندیدہ کے صلہ میں دربار شاہجہانی سے نقارہ عنایت ہوا! ۲۶ سنہ جلوس میں تیسری مرتبہ پھر مہم قندھار پر شاہزادہ دارا شکوہ کے ساتھ نامزد ہوئے اور خلعت شاہی معہ اسپ با زین نقرہ کے عطیہ سے ہم چشموں سے فوق

لے گئے! اس کے بعد قندھار سے رستم خاں کے ساتھ
بست گام کی تسخیر پر روانہ ہوئے! ۸ سنہ جلوس میں جملۃ الملک
کے ساتھ قلعہ چتوڑ کی فتح پر نامزد ہوئے! ۳۰ سنہ جلوس میں
معظم خاں کے ہمراہ مہم دکن کی کمک پر بھیجے گئے اور شاہزادہ
اورنگ زیب کی خدمت میں پہنچے جو اُس زمانہ میں ناظم دکن تھا!
اسی زمانہ میں شاہزادہ کی فوج میں شامل ہو کر عادل خانیوں
کے محاربہ میں نہایت بہادری کے ساتھ لڑ کر ان پر نیزہ کا
زخم کھایا! ان خدمات غیر معمولی کے ظہور پر ۳۱ سنہ جلوس میں
"سہ ہزاری - ہزار سوار" کے منصب سے بہرہ اندوز ہوئے!
افسوس ہے کہ ان کا پورا حال کتب تواریخ میں نہ مل سکا اور
صمصام الدولہ نے بھی مآثر الامراء میں "تتمہ احوالش بملاحظہ نیامدہ"
لکھ کر ناتمام ہی چھوڑ دیا! خدا ہی جانے تاریخ کی بربادی کے
ساتھ کیسے کیسے زندہ رہنے والے نام مٹ گئے! اخلاص خاں
کا خطاب نواب فرید کو بھی ۳۱ سنہ جلوس شاہجہانی میں ملا تھا
مگر فی الحقیقت یہ خطاب عارضی اور چند دن رہا - ان کا اصلی
اور مستقل خطاب احتشام خاں - یا محتشم خاں - تھا! اخلاص خاں کا
خطاب مستقل طور پر شیخ اللہ دیا کا خطاب تھا اور وہ فرامین

شاہی میں بھی اسی خطاب سے یاد کیئے گئے ہیں! بدایوں میں اخلاص خاں کا روضہ نہایت مشہور عمارت ہے اور یہ نامور شخص اسی روضہ میں سوتا ہے جو محلہ براہم پور میں موجود ہے۔ ان کی مفصّل داستان بھی ایک سوانح عمری بنا سکتی ہے مگر ہم محض ان کا اقتدار و منزلت ظاہر کرنے کی غرض سے ایک فرمان شاہی بجنسہ پیش کش ناظرین کیئے دیتے ہیں جس کے الفاظ سمجھنے والے کو بہت کچھ بتا سکتے ہیں:۔

منظور الانظار الخاقانیہ۔ لایق العنایات السلطانیہ۔
مورد مراحم خسرواں۔ سزاوار الطافِ نمایاں۔
قابل اقسام عنایت و احسان۔ شجاعت شعار
عقیدت و اخلاص آثار اخلاص خاں۔ بو فور
توجّہات سلطانی مفتخر و ممتاز گشتہ بداند کہ حسنِ
عقیدت و صدقِ اخلاص آں قابل المرحمہ صوارہ
در باطن قدسی مواطن بروجہ احسن جلوہ ظہور دارد۔

نمبر۹۔ یہ فرمان بھی بڑی کوشش و دقت کے بعد سید محمد صاحب کو دستیاب ہو سکا۔ فی الحال اُن ہی کے قبضہ میں ہے۔ فی الحقیقت فرامین کی فراہمی بڑی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر بھی بعض فرامین جو قابضین کی خست طبع کی بدولت نہ مل سکے! خدا جانے یہ قابل اشتہیں ہیں یا لایقِ شرم!

کمال توجہ و عنایت نسبت بآں شجاعت شعار

داریم و از بندہائے صادق الاخلاصِ درگاہ والا میدانیم۔ چوں دریں ولا فرمانِ قضا جریان قدر توامان شرف نفاذ یافتہ و حکم والا صادر گشتہ کہ جمعی از جملہ بندہائے بادشاہی تعینات بلخ و آں حدود بودہ اند بآنہا مقرر نماید کہ با جمعیت خود از آب اٹک گذشتہ و در حسن ابدال بملازمت فیض موہبت سرافرازی یافتہ روانۂ درگاہ معلّٰی شوند۔ آں لایق العنایت را نیز طلب فرمودہ اند۔ باید کہ بموجب حکم جہاں مطاع، عالم مطیع، روانۂ درگاہِ آسمان جاہ، کیوان بارگاہ، گردد۔ توجہ و عنایت خاص را نسبت بخود روز افزوں شناسد۔ تحریراً فی تاریخ ۸ ماہ شوال ۱۰۵۶ھ

مذکورالصدر حالات محض مختصر نوٹ ہیں جو میں نے نواب فرید کے اقارب کی عزت و اقتدار کی مجمل تصویر کھینچنے کے لیئے کم سے کم الفاظ میں لکھدیئے ہیں! حالات ہی کا اختصار نہیں کیا ہے بلکہ فی الحقیقت بہت تام نظر انداز کردیئے ہیں جو بفضلہ ابتک تاریخ مستند میں زندہ ہیں! انھیں ایسے نام پیشکش ناظرین کیئے گئے ہیں جو نواب فرید کے نہایت قریب کے عزیز ہیں!

اُن کے دونوں حقیقی بھائی، اُن کے والد ماجد، ان کے ماموں، ان کے چچا۔ ان سب کی حالت اقتدار و مرتبہ سے نواب فرید کے خاندان کا پوزیشن محتاج بحث نہیں رہتا! بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی اولاد کے اکثر و بیشتر نفوس میں نے نظر انداز کئے کیونکہ میرے خیال میں وہ نواب فرید کے ساتھ قرابت قریبہ نہیں رکھتے تھے! مثلاً غلام محمد خاں[۱۰] فوجدار حاجی پور جن کا وطن جونپور تھا اور جو جنگ شجاع میں عالمگیر پر سے تصدق ہوئے، ان کے لڑکے عبدالکریم خاں[۱۱] جو متھرا۔ گوالیار اور کرٹرا مانک پور کے فوجدار یکے بعد دیگرے رہے اور راجپوتوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے، عبدالکریم خاں کے لڑکے محمد شاہ[۱۲] الملقب بہ شجاعت خاں بہادر جو عدالت بندر سورت کے داروغہ اور بعد میں نیاپورہ دہانتیہ (سرکار سورت) کے فوجدار رہے اور شاہ علیخاں کے خطاب سے ملقب ہوئے، انہوں نے جہاندار شاہ۔ فرخ سیر اور محمد شاہ تک کا زمانہ دیکھا اور برابر خدمات شاہی میں محو رہے، یہ آخر میں منصب پنج ہزاری اور صوبہ داری برار کے معزز عہدہ تک پہنچے! ابوالخیر خاں[۱۳] بہادر امام جنگ بھی بہت بڑے اور نام آور

نمبر ۱۰۔ ماثرالامراء جلد دوم صفحہ ۷۰۸! نمبر ۱۱ ۔ ماثرالامراء تیموری جلد اول صفحہ ۳۶۳؛ نیز ۳۶۵!!

اشخاص میں سے تھے! ان کے بزرگوں کا وطن اصلی میر پور سرکار خیرآباد (اودھ) تھا مگر شکوہ آباد میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے شکوہ آبادی مشہور ہو گئے تھے! ان کے والد شیخ بہار الدین خلد مکان (شاہجہاں) کے عہد میں تعلقہ شکوہ آباد کے منصب دار تھے! ابوالخیر سب سے پہلے منصب "سہ صدی" پر مقرر ہوئے اور ایک مدت تک مرحمت خاں کی رفاقت میں شادی آباد مانڈو صوبہ مالوہ میں رہے جس سال نظام الملک آصفجاہ نے مالوہ سے دکن کا رخ کیا یہ بھی ان کی خدمت میں شامل ہو گئے! مرد سپاہی اور کار دیدہ تھے رائے درست کے بدولت منظور نظر ہو کر بزم مشورت میں دخیل ہو گئے اور "دو ہزار و پانصدی" کا منصب اور خانی کا خطاب معہ جاگیر کے مل گیا: بنی نگر کی فوجداری پہ مقرر ہوئے ۱۱۳۶ھ میں جب آصفجاہ دکن کی طرف دار الخلافہ سے سے چلے تو خواجم قلی خاں کو ہٹا کر دھار کا قلعہ دار اور مانڈو صوبہ مالوہ کا فوجدار ان کو مقرر کیا! رفتہ رفتہ "چہار ہزاری" اور "دو ہزار سوار" کے منصب اور بہادری کے خطاب سے بہرہ اندوز ہوئے! عَلَم ونقارہ بھی عطا ہوا! گاہے گلشن آباد کے فوجدار رہے خاندیس کے نائب اور چندے بگلانہ کے فوجدار رہے! اس کے بعد شمشیر بہادر کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ اور اس کے بھی بعد نظامتِ خاندیس پر سرفراز ہوئے!

صلابت جنگ کے ساتھ خدمات پسندیدہ کے اظہار پر
ان کے منصب میں اضافہ ہو کر "پنج ہزاری" اور "چہار ہزار
سوار" مقرر ہوا۔ پالکی جھالردار عطا ہوئی اور امام جنگ کا خطاب
ملا! مرہٹہ قوت سے کرناٹک پر خوب خوب لڑے ہیں:
علمی مذاق سے بھی بے بہرہ نہ تھے ۱۱۶۶ھ میں انتقال کر گئے!
ان کے لڑکے ابو البرکات خاں بہادر امام جنگ اور شمس الدولہ
ابو الخیر خاں بہادر تیغ جنگ تھے دونوں دولتِ نظام الدولہ
آصفجاہ میں محوِ خدمات رہے اور اونچی عزت و اختصاص سے
بہرہ اندوز ہوئے!! مختصر یہ کہ یہ اور ایسے ہی اور سربرآوردہ
اور نامور حضرات اس کس مپرسی اور ناقدردانی کے زمانہ میں
بھی پچھی کھچی تاریخ کے اوراق میں جلوہ گر ہیں جو اسی خاندان
کی شاخ۔ شجرِ فرید کے ثمر ہیں مگر میں ان کو نواب فرید کا عزیز
قریب نہیں سمجھتا اور اسی لئے ان کے مفصل حالات بھی
قلم انداز کرتا ہوں!
نواب[۱۲] فرید کی ازواج چار تھیں۔ شادبانو غالباً پہلی بیوی تھیں

نمبر ۱۲— ماخوذ از قلمی تواریخ خاندانی!

اور یہی خاندانی تھیں۔ دوسری شاہ پرور خانم، اعتماد الدولہ آصف خاں کی صاحبزادی اور تاج محل کی بہن تھیں جن کو شادی کے بعد عرف عام میں جانب جی پکارتے تھے یہ بھی عالی النسب تھیں اگرچہ بابا صاحب کی اولاد میں سے نہ تھیں! بقیہ دو بیویاں وہی تھیں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان دونوں کے خاندان اور نسل کی نسبت اس سے زیادہ پتہ نہ چل سکا کہ ایک افغانی النسل اور دوسری راجپوت تھیں! اولاد صرف اول الذکر دو بیویوں سے ہوئی اور ان ہی سے نام چلا! شاہ پرور خانم کے بطن سے صرف ایک صاحبزادی بی بی چمنی تھیں اور شاد بانو کے بطن سے شیخ نظام الدین، شیخ عبدالہادی، شیخ نصراللہ اور شیخ افضل چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بی بی متا تھے!

شیخ نظام الدین بڑے لڑکے تھے اور نواب فرید کے سامنے ہی بہ پڑ زے نکالکر مخو خدمات ہو چکے تھے، یہ ہی وہ شیخ نظام ہیں جو ۱۰۶۸ھ میں معرکہ سموگڑھ میں اپنے

نمبر ۱۳ - ملاحظہ ہو ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰!

والد ماجد کے دوش بدوش اظہارِ شجاعت و پامردی کے لئے سینہ سپر رہے اور دربار عالمگیری سے "یک ہزار ذات" اور "چہار صد سوار" کے منصب سے سرفراز ہوئے!

شیخ عبدالہادی دوسرے صاحبزادے تھے- یہ بھی نوّاب فرید کی حیات ہی میں روشناس طبقۂ منصبداران ہو چکے تھے- قلمی کتب تاریخ خاندانی کا بیان ہے کہ نوّاب فرید نے گوشہ گزینی کے زمانہ میں ان کو روانۂ بارگاہِ عالمگیری کر دیا تھا اور اُسی زمانہ میں ان کا منصب مقرر ہوا تھا- خدمات پسندیدہ کے بدولت کچھ عرصہ کے بعد خلعت ملنا اور "دیوان" کا خطاب عطا ہونا بھی پایا جاتا ہے! چنانچہ تمام قلمی کتابوں میں ان کا نام عبدالہادی دیوان ہی تحریر ہے! جنگ سفید خاک مضافات غزنین و کابل میں مہلک زخم کھا کر شہید ہونا بھی درج ہے- غالباً سفید خاک سے کوہِ سفید مراد ہو گی!

مدفن بھی اُسی جگہ تحریر ہے مگر بعض روایات سے جنگ مذکور کے بعد مفقود الخبر ہو جانا بھی پایا جاتا ہے!

شیخ نصراللہ تیسرے صاحبزادے تھے جن کے نام سے

قبع نصر اللہ پور شیخوپور سے تین میل مغرب وجنوب
گوشہ میں۔ اب تک آباد ہے۔ اگرچہ افسوس کے ساتھ
اپڑتا ہے کہ اُس کا بڑا حصّہ ان کی اولاد کی ملکیت عرصہ
نہیں رہا ہے! یہ نواب فرید کے روضہ میں مدفون ہیں!
یخ محمد افضل چوتھے اور سب سے چھوٹے لڑکے تھے جو تارک الدنیا
ویش منش تھے۔ دنیاوی جھگڑوں سے پاک رہے
یسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔ اپنے والد ہی کے
ے میں آرام فرماتے ہیں!
بی بی بینی۔ یہ غالباً بڑی لڑکی تھیں۔ ان کی شادی شیخ شہاب الدین[۱۴]
ابن ان شاہ سے ہوئی تھی۔ بی بی چمپنی کا روضہ سوتھہ محلّہ کے
متصل نہایت عمدہ پرانی عمارت اب تک موجود ہے اور
چمپنی کے روضہ کے نام سے مشہور ہے! اس شہرت وتحقیق
کے باوجود مجھے تعجب ہوتا ہے کہ صاحب کنز التاریخ
اسی روضہ کو براجانے کس چمّن خاں کا روضہ بنا دیتے ہیں۔

نمبر ۱۴۔ یہ جہان شاہ ہی ہیں جو شیخ زین العابدین المعروف بہ شیخ زین کے
صاحبزادے تھے۔ "آبار و اجداد" کے باب میں مخدوم شیخ زین العابدین کا حال آپ ملاحظہ
کر چکے ہیں اور اب پھر دیکھ سکتے ہیں!

افسوس ہے کہ تاریخ نگاری میں بھی عجلت اور خدا جانے کن کن عادات کو دخل دینے کی اجازت دیدی جاتی ہے! حافظ فضل اکرم صاحب مرحوم نے "آثار بدایوں" میں اس کی تصحیح بھی کردی ہے! مجھے تعجب ہے کہ روضۂ چھپنی کے طرز عمارت اور گنبد کے رنگ و صورت پر بھی غور نہ کیا گیا ورنہ بی بی چھپنی مرحومہ کے بجائے چمّن خاں کو اس میں دفن کرنے کی کوشش نہ کیجاتی! لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی کی غلطی یا کسی کی کوشش۔ بی بی چھپنی کو چمّن خاں کا لباس نہیں پہنا سکتی! جو کچھ ہے اظہر من الشمس ہے اور جب تک لیل و نہار اُسے رکھیں گے رہے گا!!

نواب فرید کی اولاد ان کے لڑکوں شیخ نظام، عبدالہادی دیوان اور شیخ نصراللہ سے چلی! عبدالہادی دیوان کے صاحبزادے شیخ محمد مراد سربرآوردہ اور اپنے زمانے کے معززِ منصب دارانِ شاہی میں سے ہوئے! طبیعت تو چاہتی ہے کہ اس داستانِ پاستان کو زمانۂ موجودہ تک پہنچادوں مگر "نواب فرید" کی سوانح عمری کا خیال میرے قلم کو روکتا ہے! خیر۔ اگر حیات ہے بشیاداد مشاغلِ اوقات کش نے

دم لینے دیا تو اس کا دوسرا حصّہ لکھوں گا اور نواب مرحوم کی
موجودہ اولاد تک اس سلسلہ کو تفصیل کے ساتھ پہنچاؤں گا۔
دعا ہے کہ خدا مجھے اس کی توفیق بھی دے اور ہمّت بھی! تاہم
نواب مرحوم کی موجودہ اولاد اُن کی سوانح عمری دیکھ کر بآسانی
سمجھ سکتی ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی! دیکھنے والی نظر کو
تو نواب فرید کا عنقریب نابود ہو جانے والا مقبرہ ہی بہت کچھ
بتا سکتا ہے لیکن ممکن ہے کہ در و دیوار پر توجہ نہ کرنے والی نظر
شاید ان اوراقِ پریشاں میں وہ جوہر دیکھ لے جو فی الحقیقت
اُس روضہ کی ایک ایک بوسیدہ اینٹ میں صدیوں سے
جھلک رہا ہے! خدا کے فضل سے نواب فرید کی موجودہ
اولاد متموّل، عزت، مرتبہ، فارغ البالی، وقت، کسی چیز
کی بھی محتاج نہیں ہے لیکن حُبِّ اسلاف اور عزت حقیقی
کے سمجھنے سے قاصر ہے! نوّاب فرید کا روضہ کس مپرسی کے
عالم میں نیست و نابود ہو کر ہر سال بڑھنے والی ندی کے
نذر ہو جائے۔ اُس کے ساتھ متعدد بزرگوں کی قبریں بحرِ عدم
میں ڈوب چکیں۔ مگر ہمیشہ زندہ رہنے والے کارنامے
اُس وقت تک نہیں مٹ سکتے جب تک کہ یہ بھی تاریخ